ماہنامہ

انذار

Inzaar

مدیر: ابویحییٰ

دسمبر ۲۰۱۹

www.inzaar.pk

December 2019

میں مشکل ہوں، مجھے دیکھ کر گھبرائیں نہیں
میں تو آپ کو طاقتور بنانے آئی ہوں

Please visit our websites to read the articles and books of Abu Yahya online for free.

www.inzaar.org

www.inzaar.pk (Urdu Website)

Join us on twitter @AbuYahya_inzaar

Join us on Facebook

Abu Yahya's Official Page: facebook.com/abuyahya.inzaar

Inzaar Official Page: facebook.com/inzaartheorg

Join us on YouTube youtube.com/inzaar-global

WhatsApp Broadcast list: Please contact +92-334-1211120 from WhatsApp (Daily Msg Service-Broadcast Lists – No Groups)

To get books and Inzaar's monthly magazines at home anywhere in Pakistan, contact 0332-3051201 or 0345-8206011

To participate in online courses, visit ww.inzaar.org/online-courses/

To get any other information, email to **info@inzaar.org** and info@inzaar.pk

Our material in audio form is available on USB/CD

ابو یحییٰ کی نئی کتاب

وہی رہ گزر

تھائی لینڈ اور آسٹریلیا کا دلچسپ، علمی وفکری سفرنامہ

قارئین کی خدمت میں تھائی لینڈ اور آسٹریلیا کا سفرنامہ "وہی رہ گزر" پیش خدمت ہے۔ اس بندہ عاجز کو اللہ تعالیٰ نے جو دماغ دیا ہے وہ سوچتا رہتا ہے اور جو طبیعت عطا کی ہے وہ چیزوں سے نتائج اخذ کرتی رہتی ہے۔ ایک بندے کو اللہ تعالیٰ اگر درست زاویہ نظر عطا کردے تو پھر اسے ہر ملک خدا کا ملک نظر آتا ہے اور ہر جگہ سیکھنے کو بہت کچھ ملتا ہے۔ یہی صورتحال قارئین تھائی لینڈ اور آسٹریلیا کے اس سفرنامے میں پائیں گے۔

یہ سفرنامہ روداد سفر کے ساتھ افکار وخیالات کا ایک مجموعہ ہے۔ فکر وسفر کی اس روشنی میں قارئین بہت سی ایسی حقیقتیں دیکھیں گے جو گھر بیٹھے دیکھنا آسان نہیں ہے۔ "وہی رہ گزر" کی شکل میں یہ روشنی ان قارئین کی نذر ہے جو زندگی کو ایک سفر اور آخرت کو اس کی منزل مان کر جیتے ہیں۔

ابو یحییٰ

ماہنامہ

اِنذار

دسمبر 2019ء ربیع الثانی 1441ھ

جلد 7 شمارہ 12

مدیر:
ابویحییٰ ریحان احمد یوسفی

مدیر انتظامی:
غازی عالمگیر

سرکولیشن مینیجر:
وارث رضا

معاون مدیر:
عابد علی، بنت فاطمہ،
سحر شاہ، عظمیٰ عنبرین

معاونین:
محمد شفیق، محمود مرزا

فی شمارہ ــــ 40 روپے
سالانہ: کراچی (بذریعہ کوریئر) 900 روپے
بیرون کراچی (نارمل پوسٹ) 600 روپے
(زرتعاون بذریعہ منی آرڈر (vp) یا ڈرافٹ)

ابویحییٰ کے قلم سے

P.O Box-7285, Karachi.
فون: 0332-3051201, 0345-8206011
ای میل: globalinzaar@gmail.com
web: www.inzaar.pk

تازہ برف

آسمان سے برسنے والی برف خدا کی قدرت، حکمت، صناعی اور جمال کا ایک انتہائی خوبصورت نمونہ ہے۔ یہ برف ایک طرف ننگے پہاڑوں کو سفید قبا پہناتی ہے تو دوسری طرف انھیں پانی کے اس ذخیرے میں بدل دیتی ہے جو سارا سال دریاؤں کو رواں رکھتے ہیں۔ سورج کی سنہری کرنوں سے روشن، شفق کی سرخی سے مزین اور بے داغ چاندنی میں چمکتے پہاڑ ایک طرف حسن قدرت کا بے مثل نظارہ پیش کرتے ہیں تو دوسری طرف پگھلتی برف کی شکل میں نباتاتی، حیوانی اور انسانی بقا کے ضامن ہیں۔

اس برف کا ایک اور پہلو یہ ہے کہ آسمان سے زمین پر گرنے والی تازہ برف کی سفیدی ایسی اجلی، شفاف اور خالص ہوتی ہے کہ اس جیسی خالص سفیدی کو ڈھونڈنا مشکل ہے۔ یہ اتنی نرم اور لطیف ہوتی ہے کہ چھوٹے چھوٹے معصوم پتے بھی اس کا بوجھ سہار سکتے ہیں۔

اس تازہ برف کی کوئی دوسری نظیر اس دنیا میں ڈھونڈنا آسان نہیں۔ ہاں ایک چیز ایسی ہے جو تازہ برف کی طرح بے داغ اور اجلی ہوتی ہے۔ یہ بندہ مومن کا دل ہے۔ اس دل میں حرص، ہوس، حسد، لالچ، نفرت، تعصب، کبر، غفلت، ظلم غرض کسی قسم کی برائی کا کوئی داغ نہیں ہوتا۔

مگر جس طرح تازہ برف کو زمین کی مٹی آلودہ کر دیتی ہے، اسی طرح قلب مومن کو دنیا کے معاملات کبھی کبھی آلودہ کر جاتے ہیں۔ مگر ایسے میں کوئی دل زندہ ہو تو وہ تڑپ کر اپنے مالک کو پکارتا ہے کہ اے میرے رب میرے دل کو اسی طرح صاف اور شفاف بنا دے جس طرح تازہ برف اجلی اور بے داغ ہوتی ہے۔ ایسی عارفانہ دعا خدا کبھی رد نہیں کرتا۔ وہ بندے کے دل کو بھی اسی طرح بے داغ کر دیتا ہے جیسے تازہ گری ہوئی برف ہوتی ہے۔ مگر یہ پاکیزگی صرف اسی شخص کو ملتی ہے جس کی کل وفاداری خدا کے ساتھ ہو۔ تعصب اور خواہش کے داغ لیے لوگ نہ اس دعا کی توفیق پاتے ہیں نہ ان کو کبھی پاکیزگی عطا کی جاتی ہے۔

خدااور انسان کی نگاہ

قرآن مجید کی سورہ انعام میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ نگاہیں اسے نہیں پاسکتیں اور وہ نگاہوں کو پالیتا ہے(103)۔اس آیت میں دو عظیم حقائق کا بیان ہے۔ایک یہ کہ خدا ہر لحظہ انسان کے ساتھ ہے۔گرچہ وہ انسانوں کو نظر نہیں آتا۔کیونکہ یہ خدا کا وصف ہے کہ وہ نگاہوں کی گرفت سے ہمیشہ باہر رہتا ہےاور کوئی نظر اس کا احاطہ نہیں کرسکتی۔

یہ دوسری بات ایک اور عظیم حقیقت کا بیان ہے۔وہ یہ کہ دیکھنے والے اپنی نگاہوں سے جو کچھ دیکھ رہے ہوتے ہیں خدا اس سے پوری طرح باخبر ہوتا ہے۔اس بات کی اہمیت اس پس منظر میں سمجھنے کی ضرورت ہے کہ انسان زندگی میں جو کچھ بھی کرتا ہے اس میں اس کی نگاہیں بنیادی کردار ادا کرتی ہیں۔انسانی علم میں سب سے بڑھ کر اضافہ اس کی نگاہیں کرتی ہیں۔ آنکھوں سے ہم صرف دیکھتے ہی نہیں بلکہ پڑھتے بھی ہیں۔یوں ہمارا علم اور اس کے نتیجے میں ہمارے عمل کا بیشتر حصہ نگاہوں پر منحصر ہوتا ہے۔خدا نگاہوں سے حاصل ہونے والے اس تمام علم اور اس کے نتیجے میں وجود میں آنے والے ہر عمل سے واقف ہوتا ہے۔

نگاہوں کی مزید اہمیت یہ ہے کہ انسان جو گناہ چھپ کر کرتا ہے یا جن کے متعلق وہ چاہتا ہے کہ دوسرے واقف نہ ہوں،ان میں سب سے بڑھ کر گناہ نگاہوں سے کیے جاتے ہیں۔انسان تنہائی میں نگاہوں کے استعمال میں ویسے ہی احتیاط نہیں کرتے۔تاہم وہ پبلک میں ہوں تب بھی کسی شخص کے لیے آسان نہیں ہوتا کہ وہ بتا سکے کہ دیکھتے ہوئے کسی شخص کا زاویہ نگاہ کس جگہ پر مرتکز ہے۔مگر خدا کی ہستی انسان کی نظر کی ہر آوارگی،خیانت اور غلاظت سے واقف ہے۔

اس آیت کا یہ پہلو کسی شخص پر پوری طرح واضح ہوجائے تو اسے ہمیشہ یاد رہے گا کہ وہ ہر لمحہ ایک نظر نہ آنے والے خدا کی نظر میں ہے۔یہی شعور انسان میں تقویٰ اور قلب ونظر کی پاکیزگی پیدا کرتا ہے۔

پرسکون زندگی کا راز

انسان اس دنیا میں جو کچھ کرتا ہے وہ یا تو مصائب سے بچنے کے لیے ہوتا ہے یا پھر کسی فائدے کے حصول کے لیے۔ مگر اس تمام تر کوشش کے باوجود انسان کو مصائب آ لیتے ہیں اور بارہا وہ اپنی مطلوبہ چیز سے محروم رہ جاتا ہے۔ نتیجے کے طور پر وہ اس ذہنی سکون، قلبی راحت اور خوشی کے احساس سے محروم ہو جاتا ہے جو اصل مقصود ہوتا ہے۔

تاہم اللہ تعالیٰ نے بندوں کی رہنمائی ایک دوسرے طریقے کی طرف بھی کی ہے جسے اختیار کرلیا جائے تو انسان کبھی اس ذہنی سکون سے محروم نہیں ہوسکتا جو اصل مطلوب ہے۔ یہ طریقہ خدا سے وہ زندہ تعلق قائم کرنا ہے جس کی اساس شکر، صبر، توکل اور تفویض ہے۔ شکر کا مطلب ہے کہ انسان ہمیشہ اس پر نظر رکھے جو اسے ملا ہے اور اس کو نظر انداز کر دے جو نہیں ملا اور جس کے نہ ملنے سے شکایت پیدا ہوتی ہے۔ یہ انداز فکر انسان کو بتاتا ہے کہ اسے جو ملا ہے وہ نہ ملنے والی چیزوں سے بہت زیادہ ہے۔

صبر یہ سوچ پیدا کرتا ہے کہ جو نہیں ملا وہ خدا کا فیصلہ ہے۔ اس میں یقیناً کوئی بہتری ہوگی۔ توکل و تفویض انسان کو بدترین حالات میں بھی یہ یقین عطا کرتے ہیں کہ اس دنیا میں اصل نظام اللہ چلا رہا ہے۔ ہر فیصلہ اسی کے ہاتھ میں ہے۔ خدا بہت مہربان، کریم اور رحیم ہے۔ وہ بہت طاقتور بھی ہے۔ چنانچہ اگر بندہ اس پر بھروسہ کر کے اپنا معاملہ اس کے حوالے کر دے تو خدا کبھی بے آسرا نہیں چھوڑے گا۔

یوں شکر، صبر اور توکل و تفویض انسان کو ہمیشہ پرسکون رکھتے ہیں۔ وہ حالات کی بے رحم موجوں سے گھبرائے بغیر زندگی کے سمندر میں اپنا سفر جاری رکھتا ہے۔ اس کا سکون دنیا کے ملنے اور کھونے پر نہیں بلکہ اس کے اپنے ہاتھوں میں آ جاتا ہے۔ یہی پرسکون زندگی کا راز ہے۔

یہ وڈیو کیا بتاتی ہے؟

شوبز سے تعلق رکھنے والی ایک خاتون کی برہنہ وڈیو پہلے سوشل میڈیا پر وائرل ہوئی اور پھر اس کے ذکر نے سوشل میڈیا پر دھوم مچادی۔ بہت سے لوگ اس کو مزے لے کر زیر بحث لا رہے ہیں اور بہت سے لوگ برائی سمجھ کر بیان کر رہے ہیں۔ یہ وڈیو اس خاتون کے بارے میں جو کچھ بتا رہی ہے، اس سے کہیں زیادہ ہم سب کے بارے میں بتا رہی ہے۔

مگر اس بات کی وضاحت سے پہلے یہ بتانا ضروری ہے کہ یہ اپنی نوعیت کی پہلی وڈیو نہیں ہے۔ اسی رمضان میں ایک احتسابی ادارے کے سربراہ کی ایک خاتون کے ساتھ نازیبا وڈیو وائرل ہوئی تھی۔ پھر اسی حوالے سے ایک عالم دین پر بہتان تراشتے ہوئے ایک جعلی فتویٰ بہت پھیلا جس کا مواد اپنی ذات میں فحش تھا۔ اس طرح کی فحش چیزوں کا وائرل ہو جانا ہمارے بارے میں دو بنیادی باتیں بتاتا ہے۔

پہلی بات یہ ہے کہ اس طرح کی چیزوں کا وائرل ہونا، ان کی مانگ ہونا، ان کو مزے لے کر زیر بحث لانا ہمارے کردار کی کمزوری کو بیان کرتا ہے۔ ایک صاحب کردار آدمی کا رویہ ایسے کسی معاملے میں یہ ہوتا ہے کہ وہ ان چیزوں کو نہیں دیکھتا، نظر پڑ جائے تو نظر پھیر لیتا ہے، ذکر آ جائے تو اعراض کر کے موضوع بدل دیتا ہے۔ اس رویے سے افراد کا جنسی بگاڑ افراد تک محدود رہتا ہے اور بات پھیلتی نہیں۔ مگر جب ایسی چیزیں پھیل رہی ہوں تو اس کا مطلب ہے کہ اس حمام میں بیشتر لوگ لباس تقویٰ سے محروم ہیں۔

ہمارے ہاں بدقسمتی سے ایسی ہی صورتحال ہے اور اس کا سبب یہ ہے کہ جنسی بے راہ روی کو روکنے کے حوالے سے ہم دین کے نام پر ایک ہی حکم سے واقف ہیں۔ وہ یہ کہ خواتین کو پردہ کرنا چاہیے۔ یہ کوئی نہیں بتاتا کہ شریعت کے احکام مردوں کو اس تلقین سے شروع ہوتے ہیں کہ وہ حفظ

فروج سے کام لیں اور نظر کو ہر ایسی چیز سے بچا کر رکھیں جو نامناسب ہو۔

دوسری بات جو ایسے واقعات سے ظاہر ہوتی ہے ہم ذہنی طور پر خدائی فوجدار بن چکے ہیں۔ کسی سے کوئی غلطی ہوگئی، کسی کی تنہائی کی کوئی کمزوری سامنے آ گئی تو ہم یہ خود پر فرض سمجھتے ہیں کہ اس کے کردار کے پرخچے اڑائیں۔ اس کو رسوا کریں۔ برا بھلا کہیں۔ بدکردار، طوائف، جسم فروش کا خطاب دیں۔ یہ سب کچھ کرتے ہوئے ہم خود کو بھول جاتے ہیں؟ ہم بھول جاتے ہیں کہ اگر خدا نے ہمارا احتساب شروع کر دیا تو ہم اپنے گھروں میں رسوا ہو جائیں گے۔

پھر کچھ اور لوگ ہوتے ہیں جنھیں اپنے تقویٰ کا زعم ہوتا ہے۔ عملاً بھی وہ ایسی چیزوں سے بچتے ہیں۔ مگر کیا دین میں صرف فواحش ہی ممنوع ہیں؟ کیا اللہ تعالیٰ نے فرقہ واریت، تعصب، الزام و بہتان، بخل وحرص، تکبر، حسد، لالچ وحرص، ریاکاری، بداخلاقی وغیرہ پر کوئی معافی نامہ جاری کر رکھا ہے؟ ایسے لوگوں کا دامن ان میں سے ہر اخلاقی برائی سے آلودہ ہوتا ہے۔ مگر انھیں عریاں، نیم عریاں اور بے پردہ عورتیں ہی برائی کی علامت نظر آتی ہیں۔

ایسے خدائی فوجدار بھول جاتے ہیں کہ سچا داعی کبھی کسی فرد کو اپنی تنقید کا نشانہ نہیں بناتا۔ اس کا ہدف برائی ہوتی ہے، انسان نہیں۔ اس کی جنگ شیطان سے ہوتی ہے، انسان سے نہیں۔ وہ انسانوں کو نہیں، رویوں کو زیر بحث لاتا ہے۔ وہ دوسروں پر تنقید کرنے سے پہلے خود اپنے اوپر تنقید کا بلڈوزر چلا دیتا ہے۔ وہ دوسروں کی اصلاح پر کھڑا ہونے سے قبل تہجد میں رو رو کر ان کی ہدایت کے لیے دعا کرتا ہے۔ مگر یہ باتیں کسی خدائی فوجدار کو سمجھائی نہیں جاسکتیں۔

حقیقت یہ ہے کہ ایک خاتون کی برہنہ وڈیو نے ہم سب کی برہنگی کو عیاں کر دیا ہے۔ مگر اس برہنگی کو دیکھنے کے لیے خدا شناس نظر چاہیے۔ عارفانہ نگاہ چاہیے۔ دین کی بصیرت چاہیے۔ یہی وہ چیزیں ہیں جو آج کل سب سے بڑھ کر کمیاب ہیں۔

جہالت، تعصب اور بدتمیزی

سمجھا جاتا ہے کہ بیسویں صدی کا نصف آخر وہ عرصہ ہے جس میں دنیا بھر میں مذہب کا احیا ہوا۔ اس عالمی رجحان کی بہت سی سماجی اور سیاسی وجوہات ہیں، مگر اس کے اثرات مسلم معاشروں اور خاص کر ہمارے خطے پر بھی پڑے۔ بڑی تعداد میں لوگوں کا ایک مذہبی رجحان وجود میں آیا۔ مگر درحقیقت یہ اُس اسلامی روح کا احیا نہیں تھا جس کا نمونہ سیرت طیبہ یا صحابہ کرام کی زندگی میں ملتا ہے۔ یہ زیادہ تر فرقہ وارانہ،، ظاہر پرستانہ، متعصّبانہ اور قوم پرستانہ دینی رجحانات کا احیا تھا۔

چنانچہ آج کل کی اس خاص دینداری میں نہ ایمان کی روح پائی جاتی ہے اور نہ نبوی اخلاق کی خوشبو۔ کچھ ہوتا ہے تو مروجہ دین داری کے انھی عناصر اربعہ یعنی فرقہ بندی، ظاہر پرستی، گروہی تعصب اور قوم پرستی کا ظہور ہوتا ہے۔ انتہا پسندی ہوتی ہے۔ بدتمیزی ہوتی ہے۔ اور اپنی جہالت پر پورا اعتماد ہوتا ہے۔

سوشل میڈیا کے آنے کے بعد اس رویے کا اظہار اکثر و بیشتر ان کمنٹس سے ہوتا رہتا ہے جو اس خاص قسم کی دینداری کے حاملین مختلف جگہوں پر کرتے رہتے ہیں۔ مثلاً ایک جلیل القدر عالم کا وڈیو کلپ نظر سے گزرا جس کے نیچے کسی نے کمنٹ کیا تھا کہ شرم کرو حدیث ہی درست پڑھ لو۔ میں نے وڈیو کو دیکھا تو اس میں حدیث اس طرح پڑھی گئی تھی۔

المسلم من سلم الناس من لسانہ و یدہ۔ یعنی مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے لوگ محفوظ رہیں۔ تاہم عام طور پر بچوں کو کورس کی کتابوں میں اس حدیث کا ایک دوسرا متن پڑھایا جاتا ہے جس میں الناس کے بجائے المسلمون کے الفاظ ہیں۔ ترجمہ یہ ہوگا کہ مسلمان وہ ہے جس کے زبان اور ہاتھ سے دیگر مسلمان محفوظ رہیں۔ کمنٹ کرنے والے نے یہی حدیث

پڑھ یا سن رکھی ہوگی۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ الفاظ کے معمولی فرق کے ساتھ ایک دوسری روایت بھی موجود ہے۔ اسی مبلغ علم پر بدتمیزی سے بھرپور وہ تبصرہ کیا جو اوپر بیان ہوا۔

یہ کوئی استثنائی معاملہ نہیں ہے بلکہ عام طور پر مذہب کے نام پر کھڑے لوگوں کا عمومی رویہ ہے۔ انتہائی سطحی علم کے ساتھ اپنی سنی سنائی باتوں پر انھیں اتنا اعتماد ہوتا ہے کہ کسی بھی محقق عالم کی تردید شروع کر دیتے ہیں۔ تردید ہی نہیں بلکہ اس کے علم، ایمان اور اخلاص ہر چیز پر فتویٰ بازی شروع کر دیتے ہیں۔ اس سب کے ساتھ بدتمیزی، بدگوئی، تمسخر اور بدزبانی کو بھی اپنا حق سمجھتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ علم کے بغیر کلام کرنا اپنی جواب دہی کو بڑھانا ہے۔ ساری زندگی یکطرفہ تعصّبات کا اسیر رہ کر کسی محقق عالم کی تردید کرنا اپنی رسوائی کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔ خدا کے راستے میں کھڑے کسی شخص سے بدتمیزی اور بدکلامی کو اختیار کرنا اللہ کے غضب کو بھڑکانے کے مترادف ہے۔

مگر ہمارے ہاں مذہبی تربیت کی ساری اساسات غلط کر دی گئی ہیں۔ حق پرستی کے بجائے تعصب اور ایمان واخلاق کے بجائے ظواہر پرستی ہماری مذہبیت کا خاصہ ہے۔ مگر لوگوں کو جان لینا چاہیے کہ قیامت کے دن ایسی ہر دینداری رد کر دی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ صرف اس دینداری کو قبول کریں گے جس میں انسان حق کے اعتراف کے لیے سر جھکانے کا عادی ہو۔ جس میں ایمان واخلاق کے مطالبات کی پاسداری اصل دین ہو۔

خدا کی جنت اعلیٰ ترین انسانوں کے رہنے کی جگہ ہے۔ یہ اختلاف کے باوجود شائستگی کا رویہ اختیار کرنے والوں کا مقام ہے۔ یہ بدکلامی اور بدزبانی سے دور رہنے والوں کا ٹھکانہ ہے۔ یہ تعصب، فرقہ بندی، گروہی عصبیت، قوم پرستی اور ظواہر پرستی سے بچ کر سچی خدا پرستی کو اختیار کرنے والوں کی جائے قیام ہے۔ جس شخص میں یہ خوبیاں نہیں، اس کا ٹھکانہ جنت نہیں جہنم ہے۔

ہماری سیاست اور ہماری ہلاکت

قرآن مجید کی سورہ مطففین (83) کے آغاز میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی ہلاکت کا فیصلہ سنایا ہے جو ڈنڈی مارتے ہیں، اس طرح کہ لوگوں سے لیتے ہیں تو پورا لیتے ہیں اور دیتے ہیں تو ڈنڈی مار دیتے ہیں۔ یہ وعید صرف خرید و فروخت کے معاملے تک محدود نہیں بلکہ زندگی کے ہر اس معاملہ کا احاطہ کرتی ہے جہاں انسانوں کے لینے اور دینے کے پیمانے جدا ہوتے ہیں۔

ہمارے معاشرے میں خیر خرید و فروخت سے لے کر خاندانی معاملات اور اداروں سے لے کر سیاست تک ہر جگہ ہم لوگ عملی طور پر قرآن کی اس سخت ترین وعید کا مصداق بنے ہوئے ہیں۔ ہمارے ہاں سیاستدان حکومت میں آتے ہی ان ساری چیزوں کو اختیار کر لیتے ہیں جنھیں وہ اپوزیشن کے زمانے میں برا سمجھتے تھے۔ اسی طرح حکمران بھی اپوزیشن میں آتے ہی اپنی پوزیشن بدل دیتے ہیں۔ یوں ان کے لینے اور دینے کے باٹ بدل جاتے ہیں۔

سیاستدان اگر اپنے لینے اور دینے کے باٹ بدلتے ہیں تو یہ بھی بلا شبہ غلط ہے۔ مگر اس سے بڑا سانحہ یہ ہے کہ عام لوگ جو اکثریت میں ہوتے ہیں وہ بھی بلا سوچے سمجھے اپنے لیڈروں کے اندھے عشق میں وقت کے ساتھ اپنے پیمانے بدل لیتے ہیں۔ چنانچہ جو دھرنا پہلے جائز تھا وہ اپنے خلاف ہوا تو غداری ٹھہرا ہے۔ جو لوگ ٹی وی کوریج کو اپنا حق سمجھتے تھے اب دوسرے اپوزیشن میں ہیں تو انھیں یہ حق دینے کے لیے تیار نہیں۔ یہی معاملہ آج کی اپوزیشن کا ہے۔ جب وہ حکومت میں آئیں گے تو وہ بھی دوسروں کے ساتھ یہی کریں گے۔

عام آدمی کو یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ بیگانوں کی شادی میں عبداللہ کی یہ دیوانگی قیامت کے دن اس کا عذر نہیں بنے گی۔ اسے بتانا ہوگا کہ جس کام کو پہلے وہ درست کہہ رہا تھا وہ اب کیسے غلط ہو گیا؟ اور جو پہلے غلط تھا وہ اب کیسے ٹھیک ہو گیا؟ لوگوں کا یہ احتساب کوئی انسان نہیں کر رہا ہوگا

جسے الٹے سیدھے الفاظ بول کر چپ کرایا جاسکے۔ سامنے عالم کا پروردگار ہوگا جو دلوں کا حال جانتا ہے اور جس کے فرشتے کسی فضول بک بک کی صورت میں گدی سے پکڑ کر زبان منہ سے باہر کھینچ لیں گے۔ پھر ان لوگوں کے ہاتھ پاؤں اور دیگر شہادتوں سے ان کے قول و فعل کا پوری زندگی کا ریکارڈ پیش کر دیا جائے گا۔

لوگ کر کے بھول جاتے ہیں۔ لوگ کہہ کر بھول جاتے ہیں۔ مگر آج سوشل میڈیا اور الیکٹرونک میڈیا نے اس حقیقت کو بھی بالکل واضح کر دیا ہے کہ کس طرح قیامت کے دن لوگوں کے کہے ہوئے ایک ایک لفظ کو ان کے سامنے دہرا دیا جائے گا۔ ان کی دلیلیں، ان کی لفاظی، ان کی خطابت، ان کے وعدے؛ سب ایک مصیبت بن کر ان کے سامنے کھڑی ہوں گی۔

اس لیے لوگوں میں خدا کا معمولی سا بھی خوف باقی ہے تو انھیں بیگانی شادی میں دھمال ڈالنے سے پہلے سوچ لینا چاہیے کہ سیاستدانوں کے غلط رویوں کی یہ اندھی وکالت انھیں بہت مہنگی پڑے گی۔ خاص کر جمہوریت کے دور میں جب عوام ہی حکمرانوں کی اصل طاقت ہوتے ہیں، سیاستدانوں کے ہر جرم کا ایک حصہ روز قیامت ان کے حمایتیوں کے کھاتے میں ڈال دیا جائے گا۔ اس وقت لوگ چیخ چیخ کر اپنے لیڈروں سے اعلان برأت اختیار کریں گے مگر اب کہاں اس کا کوئی فائدہ ہے۔

آج موقع ہے کہ لوگ توبہ کریں۔ اپنے انتہا پسندانہ خیالات سے اوپر اٹھیں۔ لیڈروں کی عقیدت اور محبت کے بجائے خدا کی محبت پیدا کریں۔ اس کا مطالبہ ہے کہ انصاف پر قائم رہو اور اسی کی گواہی دو چاہے تمھاری اپنی ذات، تمھارے والدین اور تمھارے رشتہ داروں کے خلاف بھی جا رہی ہو۔ جن لوگوں نے یہ کیا وہ خدا کی رحمت کے حقدار ہوں گے۔ جبکہ باقی لوگوں کے پاس ہلاکت کے سوا کچھ نہیں ہوگا۔ کاش اس دن کے آنے سے پہلے لوگ اپنے اندھے تعصّبات سے اوپر اٹھ جائیں۔

ابو یحییٰ

مسلمانوں کے زوال کا اصل سبب

عصر حاضر میں ہماری جدوجہد

پچھلی دو تین صدیوں میں مسلمانوں کی اجتماعی دانش کا سب سے بڑا مسئلہ اپنے کھوئے ہوئے اقتدار اور عظمت رفتہ کا حصول رہا ہے۔ اس مقصد کے لیے مسلمانوں نے گزری ہوئی صدیوں میں جو جدوجہد کی ہے وہ بلا مبالغہ انسانی تاریخ کی سب سے بڑی جدوجہد ہے۔ اس راہ میں کی گئی جدوجہد کے نتیجے میں بالواسطہ یا بلاواسطہ طور پر لاکھوں لوگوں کی جان جا چکی ہے۔ کروڑوں لوگوں نے اپنا گھر بار چھوڑ کر ہجرتیں کی ہیں۔ ان گنت عصمتیں لٹی ہیں۔ لوگوں نے اس مقصد کے لیے اپنی زندگیاں لگائیں ہیں۔ جوانیاں وقف کی ہیں۔ صلاحیت لگائی، وقت دیا، مال کی قربانی دی، بہترین ذہانتیں صرف کیں۔

مگر اس غیر معمولی جدوجہد کے باوجود ہم کہاں کھڑے ہیں یہ ہم سب جانتے ہیں۔ تاہم تادم تحریر بھی صورتحال یہ ہے کہ مسلمان دنیا کی ایک پچھڑی ہوئی قوم ہیں۔ کشمیر اور فلسطین کو بھارت اور اسرائیل نے جیل خانوں میں تبدیل کر رکھا ہے اور مسلمان بے بسی سے اپنے بھائیوں کی قید و بند اور اجتماعی صعوبت کا منظر دیکھنے کے علاوہ کچھ اور نہیں کر سکتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم سیاسی اور فوجی طاقت ہی نہیں بلکہ علم و معیشت میں بھی دنیا بھر سے پیچھے ہیں۔ اگر پچھلی صدی میں عربوں کے ہاں اللہ تعالیٰ کی عنایت سے تیل نہ نکلتا تو مسلمان اس سے بدتر حالت میں ہوتے۔

ایسے میں یہ سوال بجا طور پر پیدا ہوتا ہے کہ کہیں مسلمانوں کی جدوجہد کا رخ ہی تو کچھ غلط

نہیں ہے۔کہیں مسئلے کی تشخیص میں تو ہم کوئی غلطی نہیں کر رہے۔آج ہم اسی سوال کا جواب تلاش کرنے کی کوشش کریں گے۔اس عمل میں ہم مسلمانوں کی تاریخ کا ایک اجمالی جائزہ لیں گے جس کے ابتدائی ہزار بارہ سو برس عروج اور پھر زوال کے ہیں۔اور پھر اس جدوجہد پر تبصرہ کرتے ہوئے جو ہم دور جدید میں دو تین سو برس سے کر رہے ہیں،اس بات کا جائزہ لیں گے کہ غلطی کہاں ہوئی ہے۔

ہمارا ہزار سالہ عروج

مسلمان ایک عظیم ماضی کی حامل قوم ہیں۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے ان کی قوم پر غلبہ عطا کیا تھا۔پھر خلافت راشدہ میں صحابہ کرام نے اس دور کی دو عظیم قوتوں روم و ایران کو شکست دے کر دنیا کے وسط میں موجود تمام متمدن خطے پر اپنا اقتدار قائم کرلیا تھا۔روم کی سلطنت نے تو شام و مصر میں اپنے زرخیز خطے گنوا کر مسلمانوں سے صلح کر لی۔مگر ایرانی باز نہ آئے اور نتیجتاً ان کی سلطنت کا نام ونشان تک مٹا دیا گیا۔اسی کو اقبال نے اپنے باکمال اسلوب میں اس طرح بیان کیا تھا۔

کبھی اے نوجواں مسلم تدبر بھی کیا تو نے   وہ کیا گردوں تھا جس کا تو ہے ایک ٹوٹا ہوا تارا
تجھے اس قوم نے پالا ہے آغوش محبت میں   کچل ڈالا تھا جس نے پاؤں میں تاج سر دارا

خلافت راشدہ کے بعد خلافت بنوامیہ، بنوعباس اور پھر عثمانی خلافت قائم ہوئی اور ان میں سے ہر ایک دنیا کی سب سے بڑی طاقت رہی۔اس مرکزی حکومت کے ساتھ میں مختلف علاقوں میں مسلم سلاطین نے اپنی اپنی سلطنتیں قائم کیں اور کم وبیش بارہ سو برس تک ان ریاستوں کے زیر سایہ مسلمان دنیا کی سب سے بڑی طاقت کے طور پر دنیا پر حکومت کرتے رہے۔اس عرصے میں کچھ علاقوں میں اور بعض مقامات پر مسلمانوں کو کچھ پسپائی اختیار کرنا پڑی جیسے اندلس سے مسلم

اقتدار کا خاتمہ، فسلطین پر کچھ عرصہ کے لیے مسیحیوں کا قبضہ یا پھر تاتاریوں کے ہاتھوں مسلمانوں کی شکست، مگر مجموعی طور پر مسلمان ہی غالب رہے۔

آج امریکہ کو جس مقام پر فائز ہوئے تیس برس بھی نہیں گزرے، سوویت یونین جس مقام پر پچاس برس بھی فائز نہیں رہا اور برطانیہ عظمیٰ عالمی غلبے کو سو سال بھی نہیں دیکھ سکا، مسلمانوں نے اس عروج، اقتدار اور غلبے کا ذائقہ ہزار برس تک چکھا تھا۔ مسلمانوں کا یہ غلبہ صرف سیاسی اور فوجی نوعیت ہی کا نہ تھا بلکہ معاشی، علمی، تہذیبی، تمدنی غرض ہر پہلو سے مسلمان باقی دنیا سے آگے تھے۔ وہ ہر پہلو سے امامت عالم کے منصب پر فائز تھے۔

ہزار سالہ عروج کے بعد ہمارے زوال کا آغاز

ہر کمال را زوال است یعنی ہر کمال کو زوال ہے، کے اصول کے تحت اس عظیم اور طویل عروج کے بعد ہمارا زوال شروع ہوتا ہے۔ ایک طرف ترکی کی خلافت جو ایشیا، افریقہ اور یورپ پر پھیلی ہوئی تھی اور دنیا کے وسط میں پوری شان سے قائم تھی رفتہ رفتہ مرد بیمار میں تبدیل ہوگئی۔ دوسری طرف وہ عظیم مغل سلطنت جس کا رقبہ چالیس لاکھ مربع کلومیٹر تک پھیلا ہوا تھا، ایک دم سے سمٹنا شروع ہوئی۔

ہندوستان میں مسلم اقتدار کی داستان جو ہزار برس پرانی تھی، اس نے مغل سلطنت کے آخری عظیم فرماں روا اورنگزیب عالمگیر کے عہد میں اپنا عروج دیکھ لیا تھا۔ اس سلطنت نے نہ صرف اشوک اعظم کے بعد پہلی دفعہ برصغیر کو ایک حکومت کے تحت منظّم کر دیا تھا، بلکہ معاشی خوشحالی کا عالم یہ تھا کہ کل دنیا کی ایک چوتھائی آمدنی تنہا اورنگزیب کی سلطنت کی آمدنی تھی۔ مگر اورنگزیب کے بعد زوال اس تیزی سے آیا کہ چند عشروں بعد شاہ عالم ثانی کے دور میں اس سلطنت کو اس طرح بیان کیا جانے لگا کہ سلطنت شاہ عالم از دہلی تا پالم۔ پالم دہلی کے قریب واقع

ایک نواحی بستی تھی جہاں آج کل دہلی کا ائیر پورٹ ہے۔ گویا چالیس لاکھ مربع میل کی سلطنت چند کلومیٹر کے رقبے تک محدود ہوگئی۔ باقی علاقے یا تو خودمختار راجاؤں اور نوابوں میں تقسیم ہو گئے یا پھر پھیلتی ابھرتی ہوئی مرہٹہ طاقت کے سامنے سر جھکانے پر مجبور ہو گئے۔

مرض کی تشخیص اور علاج

اس دور میں مسلمانوں کی فکری قیادت نے مسلمانوں کے زوال کے مرض کی جو تشخیص کی اس کی دو اساسات تھیں۔ ایک یہ کہ مسلمانوں نے جب تک تلوار کو تھامے رکھا وہ دشمنوں پر غالب رہے۔ جب اسے چھوڑ دیا تو مغلوب ہو گئے۔ دوسری اساس یہ تھی کہ مسلمانوں کا علم جمود اور تقلید کا شکار ہو گیا ہے اور ان کا عمل دین سے دور ہو گیا ہے۔ چنانچہ دین کے علم و عمل کو درست بنیادوں پر قائم کر کے اس سفر کو دوبارہ پوری قوت سے شروع کرنا چاہیے۔

تاتاریوں کی یلغار کے بعد جس میں تمام مسلم ممالک زیروزبر ہو گئے، صرف ہندوستان وہ خطہ بچا تھا جہاں سلاطین دہلی کی بے پناہ جرات کی بنا پر تاتاریوں کے قدم داخل نہیں ہو سکے تھے۔ چنانچہ عرب و عجم کے مسلمان پناہ کی تلاش میں اس خطے میں آ بسے۔ اسی وقت سے یہ خطہ مسلم دنیا کا سب سے بڑا علمی مرکز بن چکا تھا۔ اورنگزیب کے بعد ایک طرف مغلیہ سلطنت کا زوال تیزی سے شروع ہوا اور دوسری طرف ایک جلیل القدر ہستی نے اس خطے میں جنم لیا۔

یہ ہستی شاہ ولی اللہ کی تھی جو مسلمانوں کی تاریخ کی ایک انتہائی جلیل القدر ہستی تھی اور انھوں نے جو اثرات بعد میں آنے والوں پر چھوڑے اس لحاظ سے بھی امت کی تاریخ کے کم لوگ ان کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ شاہ صاحب نے مذکورہ بالا دو اساسات کی بنیاد پر مسلمانوں کو مغلوبیت سے نکالنے کی کوششیں شروع کیں۔ چنانچہ ایک طرف انھوں نے نواب نجیب الدولہ اور بعض محققین کے نزدیک احمد شاہ ابدالی کو بھی خطوط لکھ کر مسلمانوں کو مرہٹوں کے بڑھتے ہوئے خطرے سے

بچانے کی دعوت دی۔ چنانچہ اس کے نتیجے میں پانی پت کی تیسری جنگ میں احمد شاہ ابدالی نے 1761 میں مرہٹوں کو ایک فیصلہ کن شکست دے کر ان کی کمر توڑ دی۔

دوسری طرف علمی طور پر شاہ صاحب نے دینی علم کے ہر میدان میں انتہائی غیر معمولی کام کیا۔ انھوں نے قرآن مجید کا فارسی میں ترجمہ کیا جبکہ ان کے دو بیٹوں شاہ رفیع الدین اور شاہ عبدالقادر نے اردو میں قرآن کا ترجمہ کیا۔ اس کے علاوہ تفسیر حدیث، فقہ، تاریخ، اسرار دین، تصوف غرض ہر شعبہ علم میں شاہ صاحب نے اجتہادی نوعیت کا کام کیا۔ چنانچہ برصغیر کا کوئی عالم نہیں جس پر شاہ صاحب کے بالواسطہ یا بلا واسطہ اثرات نہ پڑے ہوں۔

ہماری دوسوسالہ جدوجہد اور اس کا نتیجہ

شاہ صاحب کے زمانے سے اب تک دو ڈھائی سو برس کی مدت میں مسلمان انھی دو نکات کو بنیاد بنا کر اصلاً انھی خطوط پر کام کر رہے ہیں۔ مگر ہم جانتے ہیں کہ آج کے دن تک غلبے کا وہ خواب اپنی تعبیر نہ دیکھ سکا بلکہ مسلمانوں کا زوال کئی پہلوؤں سے بڑھتا چلا گیا۔

پہلے فوجی محاذ کو لے لیجیے۔ 1761 میں احمد شاہ ابدالی کی پانی پت کی تیسری لڑائی میں مرہٹوں کے خلاف فتح عالم اسلام کی آخری فتح تھی۔ اس سے قبل یورپ کی ابھرتی ہوئی طاقت کے خلاف عثمانی خلافت کی فتوحات کا سلسلہ پہلے ہی رک چکا تھا۔ 1683 سے 1699 تک جاری رہنے والے عظیم ترک معرکے (Great Turkish War) میں ترک ویانا فتح کرنے گئے تھے، مگر ہنگری گنوا کر لوٹے۔ اس کے بعد ترکوں کے زوال میں تو کچھ وقت لگا، مگر مغلوں کا زوال تیزی سے شروع ہو گیا۔ ہندوستان میں شکستوں کی ایک ختم نہ ہونے والی داستان تھی جس کا آغاز 1757 میں جنگ پلاسی میں بنگال کے زرخیز صوبے کے نواب سراج الدولہ کی انگریزوں کے ہاتھ شکست سے ہو چکا تھا۔

1799 میں ٹیپو سلطان نے سرنگا پٹم میں انگریزوں سے شکست کھائی۔ 1831 میں سید احمد شہید اور شاہ اسماعیل شہید (شاہ ولی اللہ کے پوتے) نے بالا کوٹ میں سکھوں سے شکست کھائی۔ 1857 میں مسلمانوں اور ہندوؤں کی مشترکہ جنگ آزادی میں انگریزوں کو فتح ہوئی اور ہندوستان میں ہزار سالہ مسلم اقتدار کے رسمی خاتمے کے ساتھ ہندوستان مکمل طور پر انگریزوں کی غلامی میں چلا گیا۔

دوسری طرف ہندوستان سے باہر بھی مسلمانوں کی پے در پے شکستوں کا سلسلہ جاری رہا۔ 1830 میں یونان کے خلافت عثمانیہ سے آزاد ہونے کے بعد خلافت عثمانیہ کا انحطاط بالکل نمایاں ہوگیا اور مختلف جنگوں میں انھیں پے در پے شکستیں ہوتی چلی گئیں۔ یہاں تک کہ پہلی جنگ عظیم کے خاتمے پر خلافت عثمانیہ کا خاتمہ ہوگیا اور اس کے تمام ایشیائی، افریقی اور یورپی مقبوضات اس کے ہاتھ سے نکل گئے۔ یوں دنیا کے تین براعظموں پر حکمران مسلمان 1920 میں دنیا کے صرف تین فی صد حصے کے مالک رہ گئے۔ اس عرصے کے دوران انفرادی طور پر کی جانے والی تمام جدوجہد جیسے امام شامل کی روس میں، عمر مختار اور مہدی سوڈانی کی افریقہ میں جنگ بھی یورپی طاقتوں کو روکنے میں مکمل ناکام رہی۔

فکری محاذ پر مسلمانوں کی جدوجہد

جنگی محاذ کے علاوہ فکری محاذ پر بھی مسلمانوں نے زبردست جدوجہد کی۔ جمال الدین افغانی نے عالمی طور پر، ان کے زیر اثر مصر میں مفتی محمد عبدہ اور علامہ رشید رضا، اِدھر برصغیر میں علامہ سر محمد اقبال، مولانا آزاد، علامہ شبلی نعمانی جیسے اکابرین نے مسلمانوں کے جسد میں ایک نئی روح پھونکنے کی کوشش کی۔ مسلمانوں نے علی گڑھ تحریک، تحریک مدارس، تحریک خلافت، ریشمی رومال تحریک جیسے بڑی تعلیمی اور سیاسی تحریکیں چلائیں۔ اس کے بعد کے زمانے میں احیائے اسلام

اور احیائے خلافت کی تحریکوں کے عنوان سے بھی مسلمانوں نے بڑی جدوجہد کی۔ مگر صورتحال آج کے دن تک وہی ہے جو تین سو برس قبل تھی۔

ہمارا زوال سماجی زوال ہے

اس تفصیلی جائزے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ مسلمانوں کی فکری قیادت نے مسلمانوں کے زوال کے اسباب کی جو تشخیص کی تھی وہ درست نہ تھی۔ یہ درست ہوتی تو دو تین سو برس کی جدوجہد اور بے پناہ قربانیوں کے نتیجے میں ہم یقیناً اپنے کھوئے ہوئے عروج کو حاصل کر لیتے۔ ہمارے نزدیک اصل مسئلہ جسے سمجھنے میں غلطی لگی ہے وہ یہ ہے کہ ہمارا زوال کسی خاص شعبے کا نہیں ہمہ گیر معاشرتی زوال تھا اور ہے۔ سیاسی اور علمی زوال اس کا ایک اظہار تھا۔ یہ اصل مرض نہ تھا۔

ہمارا اصل مسئلہ ہمہ گیر سماجی زوال ہے جو معاشرے کی اشرافیہ اور مڈل کلاس میں اعلیٰ افراد کے نہ پیدا ہونے کا ایک فطری نتیجہ ہے۔ سماج افراد سے بنتا ہے اور اعلیٰ سماج اعلیٰ افراد سے وجود میں آتا ہے۔ اس حقیقت کو اقبال نے اس طرح بیان کیا تھا۔

افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارہ

مڈل کلاس اور اشرافیہ کو غریب طبقات پر دو پہلوؤں سے برتری حاصل ہوتی ہے۔ پہلی برتری اس پہلو سے ہوتی ہے کہ عام طور پر ان کے ہاں اعلیٰ اقدار کا ایک شعور پایا جاتا ہے۔ کوئی شخص اس شعور کے مطابق اپنی زندگی ڈھال لے تو وہ اعلیٰ انسان بننے کی بنیادی شرط پوری کر دیتا ہے۔ برتری کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ ابتدائی زندگی سے ان کی بنیادی انسانی ضروریات پوری ہو رہی ہوتی ہیں۔ یہ چیز انھیں موقع دیتی ہے کہ وہ اپنی ذات سے اوپر اٹھیں اور معاشرے کے اجتماعی خیر و شر کو اپنا مسئلہ بنائیں۔ کوئی شخص یہ دوسرا مرحلہ بھی طے کر لے تو وہ اعلیٰ انسان بن جاتا ہے۔

قومیں جب زوال پذیر ہوتی ہیں تو اس کا سبب یہی سماجی بانجھ پن ہوتا ہے جس میں ان

دو خصوصیات کے حامل اعلیٰ انسان جنم لینا بند کر دیتے ہیں۔ یہاں سے ایک عمومی سماجی زوال شروع ہوتا ہے جو تمام شعبہ ہائے زندگی میں پھیل جاتا ہے۔ گرچہ قدرت کے قانون کے مطابق اعلیٰ درجہ کے دو چار دس لیڈر اور رہنما معاشرے میں پھر بھی جنم لے سکتے ہیں۔ اسی طرح فطرت کے زور پر بہت اچھے لوگ معاشرے میں ہمیشہ موجود رہتے ہیں۔ مگر معاشرتی تنظیم میں اصل کردار درمیانے درجے کی اسی لیڈر شپ کا ہوتا ہے جس کی معتد بہ تعداد کا موجود ہونا سماج کی زندگی اور طاقت کی بنیادی شرط ہے۔

ہمارے ہاں یہ مسئلہ اورنگزیب عالمگیر نے اسی وقت نمایاں کر دیا تھا جب یہ پوری طرح نمایاں ہو رہا تھا۔ اس کے پچاس سالہ دور حکومت میں آخری پچیس برس وہ دکن میں مرہٹوں کے خلاف لڑتا رہا مگر ان کو مکمل طور پر شکست نہ دے سکا۔ کہا جاتا ہے کہ اس ربع صدی میں اس نے پچیس لاکھ فوجی مروائے، مگر اسے کامیابی نہ ہو سکی۔ اس کے اہم ترین لوگ جن میں اس کا بیٹا بھی شامل ہے دشمنوں سے جا ملا تھا۔

وہ اپنے خطوط میں اس مسئلے کو اجاگر کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

”آدم ہشیار، امانتدار، خداترس، آباداں کار کمیاب۔“، (رود کوثر، صفحہ 531)

اعلیٰ اخلاقی اور انسانی خصوصیات کے حامل انسانوں کی کمیابی ہی وہ مسئلہ تھی جو اصل میں مسلمانوں کے زوال کا سبب بنی اور اسی کو عالمگیر نے نمایاں کیا ہے۔ مردان کار کی اسی نایابی کو وہ اور خط میں بیان کرتا ہے۔ ایک اور خط میں وہ بتاتا ہے کہ وہ بنگال کے اس صوبے کے لیے کوئی منتظم ڈھونڈ رہا تھا جو وہاں کے معاملات پوری طرح سنبھال لے، مگر اسے کوئی فرد ایسا نہ مل سکا۔ وہ اس صورتحال کا سبب یہی بیان کرتا ہے کہ ”از نایابی آدم کار آہ، آہ“، (حوالہ سابق)۔

سماجی بانجھ پن کی وجوہات

اس سماجی بانجھ پن کی دو وجوہات ہوتی ہیں۔ایک یہ کہ تربیت کے ادارے غیر فعال ہوجائیں اوراپنی ذمہ داریاں پوری نہ کریں اوردوسرا یہ کہ تربیت کی اساسات غلط ہوجائیں۔

ان میں سے پہلی چیز یعنی تربیت کے اداروں کا غیر فعال ہوجانا ہمارے معاشرے میں اس وقت ایک معلوم ومعروف حقیقت ہے۔ایک زمانہ تھا کہ ہمارا تربیتی نظام بہت مضبوط اورفطری بنیادوں پر قائم تھا۔ماں کی گود بچے کی پہلی تربیت گاہ کہلاتی تھی۔والدین کے علاوہ خاندان کے بزرگ، محلے کے بڑے بھی اس تربیت میں اپنا بھرپور کردارادا کرتے تھے۔اساتذہ کا کام صرف تعلیم دینا نہیں ہوتا تھا بلکہ تربیت تعلیمی نظام کا لازمی حصہ ہوتی تھی اوراستاد اس حوالے سے اپنا کردار بھرپور طریقے سے ادا کرتے تھے۔

معاشرتی سطح پر مساجد کے ائمہ،علماء ودانشوروں کے علاوہ اہل تصوف کا ایک پورا ادارہ تھا جو معاشرے میں اعلیٰ انسانی اقداراوراجتماعی خیروشر کے تصورکو پورے طور پر زندہ رکھے ہوئے تھا۔ مگر رفتہ رفتہ مادیت کے فروغ نے اس پورے تربیتی نظام کو متاثر کرنا شروع کیا اورایک ایک کرکے تربیت کی اس عمارت کے تمام ستون اپنی جگہ چھوڑتے چلے گئے۔

والدین اب اپنی سماجی ،تفریحی اورمعاشی سرگرمیوں میں اتنا مصروف ہیں کہ بچوں کی تربیت ان کا اصل مسئلہ نہیں رہی۔اساتذہ تنخواہ لینے والے سرکاری اور پرائیوٹ ملازم رہ گئے ہیں۔ تصوف کا ادارہ ختم ہوچکا ہے۔علماءاورائمہ فرقہ واریت کے اسیر ہیں اوراسی کے داعی ہیں۔جبکہ دانشوروں کوسیاست کی چاٹ ایسی لگی ہے کہ وہ اس کے سوا کسی چیز میں دلچسپی نہیں لیتے۔

تربیت کی اساسات کا غلط ہوجانا

ان روایتی تربیتی اداروں کی کمزوری اورخاتمے کے ساتھ تربیت کے جو نئے ادارے وجود

میں آئے ان کی اپنی اساسات اور ترجیحات بالکل غلط تھیں۔ سماجی تربیت کا سب سے بڑا ادارہ اس وقت میڈیا ہے جو اپنی تمام شکلوں یعنی فلم، ٹی وی، اخبار، انٹرنیٹ وغیرہ میں یا تو لوگوں میں منفی سوچ پیدا کر رہا ہے یا پھر مادیت اور معیار زندگی بلند کرنے کی دوڑ کو فروغ دے رہا ہے۔ گاڑی، بنگلے، ظاہری خوبصورتی، اسٹیٹس، کیریئر اور دیگر مادی چیزوں کی چکا چوند میڈیا لوگوں پر اس طرح مسلط کیے ہوئے ہے کہ اعلیٰ اور برتر انسانی اقدار کا وہاں ذکر ہی نہیں رہا۔

دوسری طرف مذہب کے نام پر تربیت کے جو ادارے مذہبی جماعتوں، تحریکوں اور گروہوں نے جنم دیے ہیں، انھوں نے انسانی فطرت اور دین حق میں موجود تربیت کی اصل اساسات کے بجائے غیر متعلق اور غیر اہم چیزوں کو تربیت کی اساسات بنا دیا ہے۔ ہمارے نزدیک یہ چھ چیزیں ہیں جن میں سے تین دینی اساسات رکھتی ہیں اور تین فطری اساسات ہیں جو فرد کی تربیت میں بنیادی حیثیت رکھتی ہیں اور ایک اعلیٰ انسان کی ضامن ہیں۔ مگر مروجہ تربیتی نظام میں ان چھ چیزوں کی جگہ چھ دوسری چیزوں نے لے لی ہے۔

حق پرستی کے بجائے تعصب

پہلی یہ کہ دین حق میں بنیادی انسانی وصف یہ ہے کہ انسان کے لیے حق اور سچائی سب سے بڑا مسئلہ ہو۔ قرآن نے اہل جنت کے جو چار درجات بیان کیے ہیں، ان میں سے نبوت کا دروازہ تو عام لوگوں کے لیے بند ہے۔ باقی تین میں سے سب سے بلند صدیقیت کا مقام ہے۔ صدیق وہی شخص ہے جس کے لیے حق اور سچ سب سے بڑا مسئلہ ہو اور جب سچ اس کے سامنے آجائے تو پھر وہ ہر تعصب کو پرے رکھ کر اس سچ کا اقرار کرلے۔ اسے قول و عمل میں اختیار کرلے۔ اور اس کے مطابق خود کو ڈھال لے۔ جبکہ ہمارے موجودہ دینی تربیتی نظام میں حق کے بجائے تعصّبات اہم ہو چکے ہیں۔ اپنا گروہ، اپنا فرقہ، اپنا عالم، اپنا نظریہ سب سے اہم ہو چکے

ہیں۔لوگ سچائی پر اپنے تعصب کو ترجیح دیتے ہیں اور اپنے تعصّبات کے دفاع کو کرنے کا سب سے بڑا کام سمجھتے ہیں۔

نیکی کا تصور اور اعمال کی روح

دین حق میں دوسری بنیادی چیز نیکی کا وہ تصور ہے جس میں ایمان و اخلاق اور ان کے تقاضوں کو اصل دینی مطالبے کی حیثیت حاصل ہے۔خدا کی ہستی انسان کے لیے اہم ترین ہو جائے۔اس کی بندگی اور اطاعت اصل مسئلہ بن جائے۔عدل،احسان،انفاق انسان کی زندگی بن جائیں۔فواحش،منکرات اور ظلم و زیادتی سے بچنا انسان کا اصل ہدف بن جائے۔اعلی اخلاقی رویے اس کی شخصیت بن جائیں۔یہ وہ مطالبات ہیں جن کا اختیار کرنا کسی شخص کو دین کی نظر میں نیک و صالح بناتا ہے۔مگر ہمارے تربیتی نظام میں کچھ ظواہر پرستی نیکی اور تقویٰ کا اصل معیار بن چکی ہے۔کچھ ظاہری چیزوں کے ہونے نہ ہونے پر کسی شخص کی ساری دینداری منحصر ہے۔

دین حق میں ظاہری اعمال کی نفی نہیں ہے۔بہت سے ظاہری اعمال عین مطلوب ہیں۔مثلاً عبادات کا ظاہری ڈھانچہ اپنی ذات میں عین مطلوب ہے۔مگر ہماری مروجہ تربیتی نظام کی تیسری خامی یہ ہے کہ اس میں ساری توجہ ظاہری ڈھانچے اور فقہی موشگافیوں پر رہتی ہے اور ان کی اصل روح،حقیقت،مقصد کو بالکل فراموش کر دیا گیا ہے۔یہی نہیں بلکہ اس ظاہری ڈھانچے پر باہمی مخالفت کا ایک طوفان برپا رہتا ہے۔کون نہیں جانتا کہ فاتحہ خلف الامام،رفع یدین،آمین بالجہر اور ان جیسے متعدد مسائل پر لوگ ایک دوسرے کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے۔

تین دنیوی اساسات

مذکورہ تین دینی چیزوں کے علاوہ تین اور چیزیں ہیں جن میں ہمارا تربیتی نظام بالکل غلط جگہ سے لوگوں کی تربیت کر رہا ہے۔پہلی یہ کہ عقل انسان کا شرف ہے۔مگر اجتماعی اور دینی معاملات

میں لوگوں کی تربیت اس طرح کی گئی ہے کہ وہ عقل کو کونے میں رکھ کر جذباتی بنیادوں پر آراء قائم کرتے ہیں۔ ہم نے ''اجتماعی اور دینی معاملات'' کی تعبیر اس لیے اختیار کی ہے کہ ذاتی معاملات میں ہر شخص بہت عقلمندی اور ہشیاری کا معاملہ کرتا ہے۔ وہ تحلیل و تجزیہ سے کام لے کر معقول فیصلے کرتا ہے۔ مگر جب اجتماعی معاملات آئیں تو ایک جذباتی تقریر، ایک رومانوی تصور اور ایک جوشیلا نعرہ ہماری عقلی استعداد کو ختم کر دیتا ہے۔ لوگ معقولیت کے بجائے جذباتی باتوں پر آراء قائم کرتے اور صحیح و غلط کے فیصلے کرتے ہیں۔

ہمارے تربیتی نظام کا دوسرا فطری انحراف مثبت اندازِ فکر کے بجائے منفی اندازِ فکر کا فروغ ہے۔ یہ کوئی سادہ بات نہیں ہے۔ منفی اندازِ فکر کے ساتھ اعلیٰ اخلاقی رویوں کا پروان چڑھنا بہت مشکل ہے۔ مگر مسئلہ یہ ہے کہ اعلیٰ اخلاقی رویے، جیسا کہ اوپر بیان ہوا، ہماری تربیت میں اپنی اصل حیثیت میں مطلوب ہی نہیں ہیں۔ چنانچہ منفی اندازِ فکر ہمیں بہت سوٹ کرتا ہے جس کے ساتھ کچھ ظاہری اعمال کو اختیار کیے ہوا شخص دوسرے کسی شخص کی بھی نیت اور ایمان کا فیصلہ کر دیتا ہے۔ ہماری تربیت اس طرح کر دی گئی ہے کہ ہم ہر چیز کو شک کی نظر سے دیکھتے ہیں اور ہر جگہ سازشوں کے افسانے تلاش کرتے ہیں۔ انھی چیزوں کی ترویج کرنے والے لوگ ہمارے فکری رہنما بن چکے ہیں۔ اور مثبت اندازِ فکر رکھنے والوں کو وہ پذیرائی نہیں ملتی جو ملنی چاہیے۔

اس سلسلے کی آخری اہم چیز اصولوں کے بجائے شخصیات کی پیروی ہے۔ ہم یہ حقیقت بھول چکے ہیں کہ ہمارے ہاں ایک ہی شخصیت ہے جس سے اختلاف نہیں ہوسکتا۔ جس کی تقلید واجب ہے۔ جس کی پیروی میں فلاح دارین ہے۔ یہ ہستی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔ بدقسمتی سے ہمارے تربیتی نظام میں شخصیات اور اکابرین کو وہ حیثیت دے دی جاتی ہے جہاں ان سے اختلاف نہیں ہوسکتا۔ ہماری یہ شخصیت پرستی صرف مذہب تک ہی محدود نہیں بلکہ ہمارے مزاج کا

حصہ بننے کے بعد سیاست میں بھی اب پوری طرح اس کے اثرات دیکھے جا سکتے ہیں۔ اصولوں کے بجائے اپنے لیڈروں کی پیروی ہماری تربیت کا حصہ بن چکی ہے۔ چنانچہ لوگ اپنے لیڈروں کے عاشق ہوتے ہیں۔ ان کی ہر اچھی بری بات کی تائید کرتے ہیں۔ ان کی ہر بے اصولی کا دفاع کرتے ہیں۔ ان کی ہر غلطی کی توجیہ و تاویل کرتے ہیں۔

ہمارا حال اور مستقبل

حقیقت یہ ہے کہ پچھلے دو تین سو برس کی جدوجہد سے ہم دنیا میں اپنا کھویا ہوا مقام تو حاصل نہیں کر سکے ہیں بلکہ جو کچھ اچھی تربیت اور اعلیٰ اخلاق کا سرمایہ ہمارے پاس تھا وہ اس راہ میں گنوا چکے ہیں۔ اس وقت معاشرے میں جو خیر نظر آتا ہے وہ کسی تربیت کا نہیں بلکہ اللہ کی پیدا کردہ اس فطرت کا نتیجہ ہے جس کے اثرات انسانوں میں بہت گہرے ہوتے ہیں اور بری سے بری تربیت کے لیے اس کے نقش مٹانا آسان نہیں ہوتا۔ مگر یہ فطرت سماجی تنظیم اور اجتماعی تبدیلی کا کام نہیں کر سکتی۔ یہ تو تربیت کی اساسات کو ٹھیک کرنے ہی سے ہوگا۔

انفرادی کے ساتھ اگر کوئی اجتماعی خیر بھی ہمیں نظر آتا ہے تو وہ اللہ ہی کی عنایت ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ پچھلی صدی میں اللہ تعالیٰ نے دو ایسے معاملات کیے ہیں جنھوں نے مسلمانوں کے وجود کو مکمل تباہی میں جانے سے بچا لیا۔ ایک یہ کہ دو عظیم جنگوں اور خاص کر دوسری جنگ عظیم میں یورپی قوموں کی طاقت باہمی لڑائی میں ختم ہوگئی اور یوں وہ اس قابل ہی نہ رہے کہ مسلمانوں کو غلام رکھ سکیں۔ دوسری طرف عربوں کے قدموں سے سیال سونے کی شکل میں تیل کے ذخائر نکال دیے گئے۔ یوں سیاسی غلامی کے علاوہ معاشی غلامی سے نجات کا ایک راستہ بھی اللہ تعالیٰ نے پیدا کر دیا۔

اللہ تعالیٰ کی مدد کے اور بھی کئی پہلو ہیں جو بیسویں صدی میں ظاہر ہوئے اور ان پر ہم نے

اپنے ایک الگ مضمون میں روشنی ڈال کران کی حکمت ومصلحت کو واضح کیا ہے۔مگر سر دست یہ ہمارا موضوع نہیں ہے۔اہم بات یہ ہے کہ ہم آج کے دن تک دنیا کے مقابلے میں ایک پچھڑی ہوئی ملت ہیں۔خاص کر مسلمانوں کے دو گروہ جو عشروں سے دنیا میں خدا کے نام پر کھڑے ہیں یعنی عرب اور اہل پاکستان دونوں ہی بدترین اخلاقی پستی کا شکار ہیں۔

مکمل تباہی سے بچنے کا راستہ

قدیم صحف سماوی اور تاریخ کا مطالعہ یہ بتاتا ہے کہ خدا کے نام پر کھڑے ہونے والے لوگ جب اس رویے کا مستقل مظاہرہ کرتے رہیں اور اصلاح کرنے والوں کی بات سننے سے انکار کردیں تو پھر آخر کار خدا کا فیصلہ آتا ہے جو ایک بہت بڑی تباہی کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔اس کے بعد اللہ تعالیٰ امت کی امامت اور دنیا کی رہنمائی کسی اور گروہ کے حوالے کردیں دیتے ہیں۔ چاہے وہ مسلمانوں کا کوئی گروہ ہو یا پھر غیر مسلموں کے کسی گروہ کو مسلمان کر کے ان سے یہ کام لیا جائے۔

ہم اگر اس مکمل تباہی سے بچنا چاہتے ہیں تو معاشرے کے متوسط طبقے اور اشرافیہ کے لوگوں میں سے ہر باشعور آدمی کو اپنا کردار ادا کرنا ہوگا۔اس وقت کرنے کا سب سے بڑا کام یہ ہے کہ تربیت کی ان درست اساسات کو پوری قوت کے ساتھ قوم کے سامنے زندہ کیا جائے جن کو ہم نے اوپر بیان کیا ہے۔اس مقصد کے لیے نئے ادارے بنائے جائیں۔ جو ادارے بنے ہوئے ہیں وہ اس تربیت کو اپنا مشن بنائیں۔ادارہ انذار اسی مقصد کے تحت تشکیل دیا گیا ہے اور اپنی حقیر بساط کے مطابق یہ خدمت سرانجام دینے کی کوشش کر رہا ہے۔

دوسرا یہ کہ ہم اپنی انگلیاں دوسروں کی طرف اٹھانا چھوڑ دیں اور اپنی ذاتی تربیت کو سب سے بڑا مسئلہ بنائیں۔ ہمارا مسئلہ یہ ہے کہ ہر شخص دوسرے کی دس ایکڑ زمین پر اسے وہ فصل

لگانے کا مشورہ دیتا ہے جسے وہ اپنی دو گز زمین پر لگانے کے لیے تیار نہیں ہے۔ ہمیں سمجھ لینا چاہیے کہ ہمارا دائرہ عمل ہماری ذات، ہمارا خاندان اور وہ جگہیں ہیں جہاں ہم خود موجود ہوں۔ ان کو نظر انداز کر کے ملک و ملت کے معاملات پر فکر مند رہنا اور تبصرے و تجزیے کرنا ایک کار لا حاصل ہے۔

تیسرا یہ کہ تربیت کا یہ کام اپنی درست اساسات پر کیا جائے۔ ورنہ تربیت تو بہت ہو رہی ہے اور لاکھوں لوگ پیدا ہو رہے ہیں جنھیں ملک و ملت کی فکر ہے اور جو مذہب کے نمائندے بن کر معاشرے میں کھڑے ہیں۔ مگر تربیت کی جس بھٹی سے یہ اینٹیں تیار ہو رہی ہیں اس کی بنیادیں ہی غلط ہیں اس لیے نتیجہ کچھ نہیں نکل رہا۔ اعلیٰ انسان انھی چھ درست تربیتی اساسات سے پیدا ہوتے ہیں جن کو ہم نے پیچھے بیان کیا ہے۔ ان اساسات کو سمجھنے کے لیے محنت کی جائے۔ وقت نکالا جائے۔ ہم ادارہ انذار کے تحت اپنی بساط کی حد تک ان درست بنیادوں کو سامنے لانے اور ان کی بنیاد پر لوگوں کی تعلیم و تربیت کا بندوبست کر رہے ہیں۔

یہ کام ہم اس یقین کے ساتھ کر رہے ہیں کہ اس وقت آسمان کے نیچے اور زمین کے اوپر یہ کرنے کا سب سے بڑا کام ہے۔ اس کا اجر قیامت کے دن سب سے بڑھ کر ہو گا کہ یہی کار انبیا ہے۔ یہی ہمارے پیسے، وقت اور صلاحیت کا بہترین استعمال ہے۔ اور ان شاء اللہ یہی کام آخرت کی فلاح اور دنیا میں غلبے و عروج کا اصل راستہ ہے۔

جہاں رہیے اللہ کے بندوں کے لیے باعث رحمت بن کر رہیں، باعث آزار نہ بنیں۔

مولانا وحید الدین خان

خواہش پر کنٹرول

خواہش (desire) ہر انسان کی ایک فطری صفت ہے۔ کوئی عورت یا مرد خواہش کی نفسیات سے خالی نہیں۔ تاہم خواہش کوئی برائی (evil) نہیں، یعنی خواہش اپنے آپ میں برائی نہیں ہے، بلکہ خواہش کا غلط استعمال اس کو برا بنا دیتا ہے۔ انسان کے اندر سب سے بڑی صفت محرک (incentive) ہے۔ ہر عمل کی جڑ میں ایک محرک ہوتا ہے۔ اگر کسی انسان کے اندر محرک نہ پایا جائے تو وہ کوئی کام نہیں کرسکتا۔ یہ محرک تمام تر خواہش کی پیداوار ہے۔ یہ خواہش ہے جو انسان کے اندر محرک پیدا کرتی ہے۔ خواہش نہیں تو محرک نہیں اور محرک نہیں تو کوئی عمل نہیں۔

اس معاملے میں انسان کا اصل کام یہ ہے کہ وہ اپنی خواہش کو کنٹرول کرے۔ وہ اپنی خواہش کو غلط رخ کی طرف جانے سے روکے۔ مثلاً کھانے میں سادہ کھانا کھائے اور لذیذ کھانے سے پرہیز کرے۔ کوئی عمل کرے تو خدمت کے جذبے سے کرے، نہ کہ شہرت (fame) حاصل کرنے کے لیے۔ کپڑا پہنے تو ستر پوشی کے لیے پہنے، نہ کہ خوش نمائی کے لیے۔ پیسہ کمائے تو صرف ضرورت پوری کرنے کے لیے، نہ کہ دولت کا ڈھیر اکٹھا کرنے کے لیے۔ گھر بنائے تو رہائشی ضرورت کے لیے، نہ کہ شان وشوکت کے اظہار کے لیے۔ یہی خواہش پر کنٹرول ہے۔

خواہش پر کنٹرول کا مقصد اپنے آپ کو ڈسٹریکشن سے بچانا ہے۔ جب آدمی اپنے آپ کو ڈسٹریکشن سے بچاتا ہے تو اس کو یہ موقع ملتا ہے کہ وہ ذہنی اور روحانی ترقی میں مشغول ہوسکے، وہ اپنی شخصیت کے ارتقا کے اعلیٰ تر مقصد کو حاصل کرسکے۔ خواہش پر کنٹرول صرف وہ شخص کرسکتا ہے جو مطالعہ اور غور وفکر کے ذریعے اپنے مقصدِ تخلیق کو دریافت کرے۔ اس دریافت کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آدمی عارضی دنیا کی وقتی لذتوں سے اوپر اٹھ جاتا ہے، وہ اپنے آپ کو اس ربانی شخصیت کی تشکیل میں لگا دیتا ہے جو دنیا میں اللہ کی مرضی پر چلے اور آخرت میں اللہ کی ابدی جنت میں داخلے کی مستحق قرار پائے۔ خواہش پر کنٹرول آدمی کو اعلیٰ انسان بناتا ہے۔ اس کے برعکس، خواہش کی پیروی کرنے والا آدمی حیوانیت کی سطح پر پہنچ جاتا ہے۔

ڈاکٹر شہزاد سلیم/محمود مرزا

فطرت کو دیکھ کر بے غرض ہونا سیکھیں

بے غرضی ایک عظیم انسانی وصف ہے۔ جب بھی ہم بے غرضی سے بھرپور کسی واقعے کا مشاہدہ کرتے ہیں تو ہماری روح تڑپ اٹھتی ہے اور خدا پر ہمارا ایمان تازہ ہو جاتا ہے۔ یہ وصف ہر انسان کے اندر پایا جاتا ہے۔بس ضرورت اس بات کی ہوتی ہے کہ اس کو نکھارا جائے۔

اگر ہم واقعی یہ چاہتے ہیں کہ اپنے اندر بے غرضی کے جذبے کو بحال کریں اور اس کو برقرار رکھیں تو ہمیں چاہیے کہ اس کائنات میں دکھائی دینے والی پر اثر اور طاقتور فطرت پر غور کریں۔ جیسے ہی ہم فطرت پر غور کریں گے ہم پر یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ اس کائنات میں موجود ہر شے اور ہر عنصر بے غرض ہو کر اپنے کام میں لگا ہوا ہے۔

سورج اپنی ذات کے لیے روشن نہیں ہوتا۔ستارے اس لیے نہیں چمکتے کہ ان کو روشنی کی ضرورت ہے۔ پھولوں کی خوشبو ان کی اپنی ذات کو محظوظ کرنے کے لیے نہیں ہوتی۔ درخت اپنے آپ کو سایہ فراہم نہیں کرتے۔ دریاؤں کو اپنے پانی سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔

یہ سب خدا کے حکم سے اپنا اپنا کام کررہے ہیں اور کسی سے اپنے کاموں کا بدلہ نہیں مانگتے۔ ان کے لیے سب سے اہم بات یہی ہے کہ ان کے مالک نے ان کو اس کام میں لگا رکھا ہے۔ان کی بے غرضی ان کی بندگی کا نتیجہ ہے۔ ہم بھی جب بندے بنیں گے تو بے غرض ہو کر خلق کی خدمت کر سکیں گے۔اس کا نتیجہ دنیا میں عزت اور وقار اور آخرت میں خدا کی رحمت کا حصول ہے۔ چنانچہ ہمیں فطرت کے ان مظاہر سے بے غرضی کو سیکھنا چاہیے اور ان پر غور وفکر کرتے رہنا چاہیے کیونکہ فطرت کے یہ تمام مظاہر ہمیں دوسروں کے لیے جینے کا سبق دیتے ہیں۔

خطیب احمد

موبائل اور مسلمان

موٹرولا کمپنی میں ملازمت کرنے والے ایک سینیئر انجینئر مارٹن کوپر Martin cooper نے 3 اپریل 1973 کو یعنی آج سے 46 سال پہلے دنیا کا پہلا موبائل فون ایجاد کیا جو کسی بھی تار کے بغیر بات کروا سکتا تھا۔ اس کا وزن 1 کلو 100 گرام تھا۔ اسے چارج ہونے میں 10 گھنٹے لگتے تھے۔ اور 30 منٹ میں بات کرنے میں بیٹری ختم ہو جاتی تھی۔

ایک دہائی بعد 1983 موٹرولا نے دنیا کے بڑے کاروباری افراد اور اہم سیاسی شخصیات و رؤسا کے لیے ایک جدید موبائل تیار کیا۔ جس کا سٹینڈ بائی ٹائم 6 گھنٹے تھا اور اس میں 30 نمبر محفوظ کیے جا سکنے کی صلاحیت تھی۔ اس کا نام DynaTac 8000X تھا اور وزن 800 گرام تھا، قیمت 3995 ڈالر رکھی گئی جو آج کی کرنسی میں 6 لاکھ 35 ہزار روپے بنتی ہے۔

موبائل فون کی دنیا میں انقلاب لانے والا ہینڈ سیٹ نوکیا کمپنی کا پہلا کمرشل سطح پر بننے والا موبائل 1011 تھا۔ جسے 1992 میں لانچ کیا گیا، اس کی 1 کروڑ کے قریب کا پیاں سیل ہوئیں۔ نوکیا 1011 میں 99 نمبر محفوظ کرنے کی میموری تھی، وزن بھی کم کر کے 495 گرام کر دیا گیا۔ اس کی قیمت 1796 یورو رکھی گئی جو آج کے پاکستانی روپوں میں 3 لاکھ بارہ ہزار روپے ہیں۔ اس کا سٹینڈ بائی ٹائم 12 گھنٹے اور ٹاک ٹائم 4 گھنٹے تھا۔

دنیا کے پہلے موبائل کا بنیادی کام صرف کال کروانا تھا، اس میں کوئی دوسری آپشن نہ تھی۔ پھر ایس ایم ایس ایڈ ہوا، پھر انٹرنیٹ، پھر دنیا کی ہر چیز کو موبائل میں شفٹ کر دیا گیا۔ آج موبائل سے دنیا کا شاید ہی کوئی ایسا کام ہو جو نہ لیا جا رہا ہو۔ ایک ٹی وی یا AC سے لے کر ڈرون طیاروں کو موبائل فون ایپ سے کنٹرول کیا جا رہا ہے۔ آرٹی فیشل بیوٹی کیمرے اور آرٹی

فیشل انٹیلی جینس موبائل کی ترقی میں سب سے جدید فنکشن ہیں۔ سنا ہے موبائل سے ہم اپنے پیاروں کو اپنی من پسند خوشبو بھی بھیج سکیں گے۔ ساری دنیا کی دولت اور بینکنگ سسٹم کا 69 فی صد ڈیٹا موبائل ایپلیکیشنز میں شفٹ کیا جا چکا ہے، باقی بھی تیزی سے ہو رہا ہے۔

مگر یہ موبائل آج بھی اپنا بنیادی کام نہیں بھولا۔ آپ کوئی گیم کھیل رہے ہوں یا فلم دیکھ رہے ہوں، انٹرنیٹ سرفنگ کر رہے ہوں یا وڈیو بنا رہے ہوں الغرض ایک وقت میں 10 کام بھی کر رہے ہوں تو جیسے ہی کوئی کال آئے موبائل فوراً سے پہلے سب کچھ چھوڑ کر آپ کو بتاتا ہے کہ کال آ رہی ہے یہ سن لیں۔ وہ اپنے سارے کام روک لیتا ہے۔

اور ایک انسان جسے اللہ نے اپنی عبادت کے لیے پیدا فرمایا اور ساری کائنات کو اس کی خدمت کے لیے سجا دیا، وہ اللہ کی کال پر دن میں کتنی بار اپنے کام روک کر مسجد جاتا ہے؟ مسجد جانا تو درکنار اب اللہ کی کال یعنی اذان پر ہم اپنی گفتگو بھی روکنا مناسب نہیں سمجھتے۔ عبادت ہر انسان اور نماز ہر مسلمان کی زندگی کا بنیادی جز ہے جس کی موت تک کسی صورت میں بھی معافی نہیں۔ ہم کاش موبائل سے اتنا سا ہی سبق سیکھ لیں جسے ہم نے خود ایجاد کیا اور ایک لمحہ بھی خود سے جدا نہیں کرتے کہ دنیا کے سب ہی کام کرو مگر اپنی پیدائش کا بنیادی مقصد اللہ کی عبادت کبھی نہ بھولو۔ اذان ہوتے ہی سب کچھ روک کر مسجد چلو اور اللہ کی کال پر لبیک کہو۔

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب کوئی خوشی کی خبر آتی یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بشارت دی جاتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کا شکر کرتے ہوئے سجدے میں گر جاتے تھے۔ (سنن ابوداود حدیث نمبر 2774)

شفقت علی

صبر اور تعمیر شخصیت

مثبت شخصیت کی تعمیر میں صبر کی حیثیت اور اہمیت گویا عمارت میں ستون کی طرح ہے۔ جیسے عمارت بغیر ستونوں کے تعمیر نہیں ہو سکتی ویسے ہی شخصیت کی تعمیر بغیر صبر کے نہیں ہو سکتی۔ صبر کیا ہے؟ صبر وہی عمل ہے جسے ضبطِ نفس (self-control) کہا جاتا ہے یعنی نفس سے اٹھنے والی ہر منفی سوچ اور رویے کو کنٹرول کرنے کی کوشش صبر کہلاتی ہے۔

ہمارے ہاں صبر کا ایک محدود مطلب لیا جاتا ہے۔ عموماً یہ ایک ایسا عمل سمجھا جاتا ہے جس کا اظہار کسی عزیز کے مرنے پر کیا جائے یا یہ کوئی کمزوری اور بے عملی ہے جو مجبوری کی حالت میں اپنائی جائے۔ حالانکہ صبر نہ تو بے عملی ہے اور نہ ہی کمزوری بلکہ یہ دانشمندانہ عمل ہے۔ صبر ایک اصول ہے جو زندگی کے تمام پہلوؤں میں مطلوب ہے۔ کچھ اہم پہلو درج ذیل ہیں:

صبر کا پہلا پہلو یہ ہے کہ ناخوشگوار حالات جیسے بیماری، ناکامی، نقصان اور دیگر مسائل کو اللہ کی طرف سے آزمائش سمجھ کر برداشت کیا جائے، اُس پر توکل کیا جائے اور مایوسی سے بچا جائے۔ صبر کا دوسرا پہلو لوگوں سے متعلق ہے کہ جب لوگ ہم سے برا رویہ اپنائیں تو ہم تحمل برتیں اور عفو و درگزر کا معاملہ کریں۔ صبر کا تیسرا پہلو ہمارے اپنے متعلق ہے یعنی ہم اپنے اندر اٹھنے والی نفسانی خواہشات و جذبات کو کنٹرول کریں اور حلم و حیا اپنائیں۔ صبر کا چوتھا اور اہم پہلو یہ ہے کہ ہم شک اور وسوسے سے بچتے ہوئے ایمان پر ثابت قدم رہیں۔

قرآن میں بیان ہے کہ صبر کرنے والوں کو اللہ کی مدد اور معیت ملتی ہے، (158:2)۔ پس جو انسان صبر کو بطور اصول اپناتا ہے وہ ہر قسم کے حالات اور مسائل سے نپٹ پاتا ہے۔ اس طرح وہ نہ صرف اس دنیا میں کامیاب ٹھہرتا ہے بلکہ آخرت کی ابدی کامیابی بھی پاتا ہے، (111:23)۔

فاطمہ ہاشم قریشی

اندر کی آواز

اللہ سبحان وتعالیٰ نے انسان کی تخلیق کے وقت سے ہی خیر اور شر کا شعور اس کی ذات میں ودیعت فرما دیا ہے۔ وہ سورت الشّمس آیت 7-8 میں نفس انسانی کی قسم کھا کر اسی بات کو بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تخلیق کے وقت ہی نفس انسانی کو برائی اور پرہیز گاری دونوں کا شعور الہام فرما دیا۔اب انسان کا کام یہ ہے کہ وہ اپنے نفس کو خیر کی سمت ابھارے اور برے رجحانات سے خود کو روکے۔یہی وہ خیر اور شر کا شعور ہے جس کی آگہی روزمرہ کی زندگی میں انتہائی ضروری ہے۔ بسا اوقات ہمارے اندر کی آواز ہمیں تنبیہہ کر رہی ہوتی ہے کہ یہ کام غلط ہے لیکن ہم کان دھرے بغیر بہت آسانی سے اس سچائی کی آواز کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔کبھی تو ہمیں اپنی لاپرواہی کا خمیازہ فوراً ہی بھگتنا پڑ جاتا ہے اور بعض اوقات ہم ٹھوکر کھا کر سنبھل جاتے ہیں۔خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو اپنے اندر کی آواز کو اہمیت دیں اور اس کے مطابق خیر اور شر کے درمیان تمیز کریں۔ بلاشبہ وہ بھی بہت خوش قسمت ہیں جو ٹھوکر ہی سے سنبھل جائیں۔

آج کچھ ایسا ہی تنبیہہ اور یاددہانی کا واقعہ میرے ساتھ بھی پیش آیا جہاں اندر کی آواز سننے کے لیے خود کو بمشکل ہی آمادہ کر پائی۔لیکن یقین جانیے ایک مرتبہ خیر کی آواز کو اہمیت دیں تو ایسا ذہنی سکون ملتا ہے جس کا کوئی ثانی نہیں۔والدہ کو ڈاکٹر کے پاس ہسپتال لے کر جانا تھا۔ہسپتال میں گاڑی پارک کرنے اور پارکنگ ادا کرنے کے لیے ایک پیچیدہ طریقہ کار کی پابندی کرنی پڑتی ہے جس کی وجہ سے عموماً پارکنگ دن کے اوقات میں بہت مہنگی پڑتی ہے۔اسی لیے ارادہ یہ کیا کہ گاڑی کو ہسپتال میں پارک نہ کروں اور باہر سڑک پر ہی وقت کاٹ لوں۔سڑک پر دس منٹ بھی گزارنے بہت مشکل لگے اور ہر لمحے یہی دھڑکا لگا رہا کہ کہیں کوئی بھولی بھٹکی پولیس کی گاڑی نہ آ

جائے اور چالان نہ ہو جائے۔ پھر یک لخت یہ خیال آیا کہ کیوں نہ ہسپتال کے بالکل سامنے والے ڈاکٹر کی بلڈنگ میں پارکنگ کرلی جائے اور سڑک پر کھڑے رہنے کی مشکل سے نجات پالی جائے۔

اس زبردست خیال پر خود کو داد دیتے ہوئے گاڑی کا رخ بلڈنگ کی طرف موڑ دیا۔ الحمدللہ یہاں دو گاڑیاں پارک کرنے کی جگہ موجود تھی۔ آرام سے گاڑی پارک کر کے سکون کا سانس لیا۔ ارے لیکن یہ کیا یہاں تو بورڈ پر صاف الفاظ میں لکھا تھا کہ یہاں صرف اس ڈاکٹر کے مریض ہی گاڑی پارک کر سکتے ہیں جو ڈاکٹر کو دکھانے آئے ہیں اور خلاف ورزی کرنے والوں کو جرمانہ ادا کرنا پڑے گا۔ اب میں شش و پنج میں مبتلا ہوگئی کہ آیا یہاں کھڑی رہوں یا کہیں اور کا ارادہ کروں۔ دل کی سنوں تو وہ کہے کہ قانون کی خلاف ورزی درست نہیں اس لیے یہاں سے جانے ہی میں عافیت ہے۔ دماغ کی سنی تو فیصلہ یہ ٹھہرا کہ میں کون سا گاڑی یہاں پارک کر کے کہیں جا رہی ہوں، یہیں گاڑی میں بیٹھ کر انتظار کرتی ہوں اور اس وقت میں اگر کوئی اور پارکنگ کا غرض مند آ جائے تو شرافت سے جگہ چھوڑ دوں گی۔ فیصلہ تو کرلیا لیکن دل کو سکون نہ ملا اور اسی سکون کو حاصل کرنے کی غرض سے اپنے رب سے دل ہی دل میں دعا کی کہ یا اللہ! میرا مواخذہ نہ کیجیے گا اور اس قانون کی خلاف ورزی پر معاف فرما کر آسانی کا معاملہ کر دیجیے گا۔ یہ یقیناً اسی دعا کا اثر تھا کہ ابھی دعا کے الفاظ پورے بھی نہ ہوئے تھے کہ ایک غیر مسلم بزرگ اور ان کی اہلیہ پارکنگ لاٹ میں آ پہنچے۔ پارکنگ لاٹ اس وقت مکمل بھر چکا تھا۔ اب اصل وقت تھا امتحان کا۔ میرا رحمان اور رحیم رب مجھے یہ سکھانا چاہتا تھا کہ قانون کی پاسداری ہر حال میں ضروری ہے۔ اب فیصلے کا اختیار رب نے مجھے سونپ دیا کہ یا تو ان غیر مسلم بزرگوں کو بالکل نظر انداز کر دیا جائے تا کہ وہ خود ہی اپنا بندوبست کرلیں اور یا دل میں اللہ سے باندھے عہد کا پاس کیا جائے اور جگہ

حقدار کو دے کر چلتا بنا جائے۔ یقین کیجیے یہ ذہنی کشمکش کے چند لمحے بڑے ہی بھاری تھے۔ اصول اور عہد کی پاسداری پر قائم رہنا جب کہ دیکھنے اور سننے والا کوئی اور نہ ہو، صرف آپ کا اپنا ضمیر ہو اور اس اللہ کی ذات جس سے کچھ بھی پوشیدہ نہیں۔ چند لمحوں کا امتحان یہ رمز سمجھا گیا کہ بلاشبہ میرے رب نے صحیح اور غلط میں تمیز کے پیمانے اسی انسان میں نصب کر رکھے ہیں۔ صحیح معنوں میں اس آیت کی تفسیر سمجھ میں آ گئی۔ شیطان نے ایڑھی چوٹی کا زور لگایا مجھے مطمئن کرنے میں کہ کہاں سڑکوں پر خوار ہوں گی، آرام سے یہیں بیٹھی رہو۔ شکر الحمدللہ میرے رب کا جس نے اس تذبذب میں میری مدد فرمائی اور مجھے اپنے دل کی آواز سننے میں مدد کی۔ پھر میں اپنی جگہ ان بزرگوں کے لیے چھوڑ کر سڑکیں ناپنے کے بجائے ایک قریبی پارک میں آ گئی اور اپنی روداد صفحے پر منتقل کرنے کا موقع مل گیا۔

کاش صحیح اور غلط میں تمیز کا جو ادراک اس ناچیز کو ان چند لمحوں میں ہوا، اس کی روشنی میں ہم سب ہمیشہ اپنا اپنا مواخذہ کرتے رہیں؛ اپنے دنیاوی معاملات میں اپنے رب کی مرضی پر چلنے اور اس کی اطاعت کرنے میں ثابت قدم رہیں اور ہر معاملے کو قرآن اور سنت کی روشنی میں پرکھنے کو اپنی زندگی کا مقصد بنائیں۔ آمین

ہے یہ راہ بھی مسلسل
تیری چاہ بھی مسلسل

سب ہیں امتحاں میں ایسے
تیری سمت ہی مسلسل
کہیں ڈگمگا نہ جائیں
ہے یہ خوف بھی مسلسل

ہیں نفس کی سرکشی کے

یہ رموز بھی مسلسل

اس ناسمجھ خودی کا

ہے زور بھی مسلسل

اسی کشمکش میں گزریں

شب و روز یوں مسلسل

اگر اختصار برتیں

تو یہ جہد ہے مسلسل

تیری آگہی مسلسل

تیری جستجو مسلسل

ابویحییٰ

مضامین قرآن (66)

اخلاقی مطالبات: مطلوب و غیر مطلوب رویے

اخلاقی مطالبات کی بحث میں خالق کے حقوق کے بعد ہم خلق کے حقوق کا جائزہ لے رہے ہیں۔اس بحث کی ابتدا میں ہم نے یہ بات واضح کی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اس ضمن میں دو پہلوؤں سے ہماری رہنمائی کی ہے۔ایک ان طبقات کے حقوق کی طرف مختلف طریقوں سے متوجہ کیا گیا ہے جن کے معاملے میں عام طور پر انسانوں سے کوتاہی ہوتی ہے۔اس ضمن میں قریبی تعلقات کے دائرے میں آنے والے نیز ضعیف و محروم طبقات کے حقوق پر خاص طور پر توجہ دلائی گئی تھی جیسے والدین، رشتہ دار، پڑوسی، یتامی و مساکین وغیرہ۔جبکہ اس رہنمائی کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ اخلاقی طور پر مطلوب و غیر مطلوب رویوں کی نشان دہی کر کے مختلف طریقے سے لوگوں کو ان پر عمل کرنے پر ابھارا گیا ہے۔یہ مطلوب و غیر مطلوب اخلاقی رویے عقل و فطرت میں اپنی اساس رکھتے ہیں اور قرآن مجید میں ان کا بیان یاددہانی، تاکید، تلقین کی نوعیت کا ہے۔ان کے اثبات کے لیے کسی علمی استدلال، عقلی استنباط یا منطقی بحث کی ضرورت نہیں۔انسانی شعور اور انسانی ضمیر انھیں اپنی آواز سمجھ کر ان کی تائید کرتا ہے۔

قرآن مجید میں یہ مطلوب و غیر مطلوب اخلاقی رویے جگہ جگہ بیان ہوئے ہیں۔کہیں ان پر اجمال سے گفتگو کی گئی ہے اور کہیں تفصیل کے ساتھ۔کہیں اصولی طور پر ان کی طرف توجہ مبذول کرائی گئی ہے اور کہیں ان کے اطلاقات کو بھی زیر بحث لایا گیا ہے۔ذیل میں ہم ایک ایک کر کے ان اخلاقی رویوں کو زیر بحث لائیں گے۔

عدل وقسط: اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کی اہمیت

عدل وقسط یا انصاف ایک بنیادی اخلاقی قدر ہے۔ قرآن مجید نے اسے دین کے بنیادی اخلاقی مطالبے اور تمام دینی احکام کی اساس کے طور پر پیش کیا ہے۔ معاملہ دین کا ہو یا دنیا کا، خالق کا ہو یا مخلوق کا عدل وقسط ہر جگہ اور ہر پہلو سے مطلوب ہے۔ قرآن مجید نے اللہ تعالیٰ کا عدل وقسط کے حوالے سے تعارف اس طرح کرایا ہے کہ اللہ تعالیٰ انصاف پر قائم ہیں اور انصاف ہی کا حکم دیتے ہیں۔ اس نے یہ دنیا انصاف کے اصول پر بنا کر اپنا میزان عدل قائم کر دیا۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ اس دنیا کی ہر مخلوق اسی دائرے میں رہتی ہے جس میں اس کے خالق نے اسے رکھا ہے۔ مگر انسان کو چونکہ ارادہ واختیار دیا ہے، اس لیے انسان انصاف پر قائم نہیں رہتا۔ مگر اس کی رہنمائی کے لیے اور اسے انصاف پر قائم رکھنے کے لیے اس نے اپنے نبیوں اور رسولوں کو بھیجا جن کے ساتھ اپنی کتاب بطور ایک میزان عدل کے نازل کی تاکہ لوگ حق و باطل کے ہر معاملے میں انصاف کو جان کر اس کے مطابق زندگی گزاریں۔ پھر اسی میزان عدل کے مطابق روزِ قیامت لوگوں کے اعمال کی بنیاد پر ان کا فیصلہ انصاف کے ساتھ کر دیا جائے گا۔ اس دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ جب کسی قوم میں اپنا رسول بھیج دیتے ہیں تو اسی انصاف کے اصول پر ان کا فیصلہ کر دیا جاتا ہے اور کسی کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں ہوتی۔ قرآن مجید کی ان تعلیمات سے واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک عدل وانصاف کتنا اہم ہے۔

عدل کے اطلاقی پہلو

عدل وقسط کے حوالے سے یہ اصولی باتیں بتانے کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں عدل کے اطلاقی پہلوؤں کو بھی تفصیل کے ساتھ واضح کیا ہے۔ فیصلہ کرنے والوں کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ جب بھی فیصلہ کریں انصاف کے ساتھ فیصلہ کریں کیونکہ ایسے لوگ ہی خدا کو محبوب

ہیں۔اسی طرح گواہی دینے والوں کو کہا گیا ہے کہ وہ گواہی دیتے وقت ہر طرح کی جانبداری کو چھوڑ کر عدل وقسط کے ساتھ گواہی دیں۔دو گروہوں میں اختلاف ہو جائے تو ان کے درمیان بھی ثالثی کرنے والوں کو عدل وقسط کے ساتھ صلح کرانے کا حکم دیا گیا ہے۔لوگوں کے ساتھ بات چیت میں بھی عدل کی بات کہنے کا حکم ہے۔اسی کے ذیل میں حقیقت کو چھپانے کے بجائے صحیح بات بیان کرنا جس کی ایک مثال لے پالک بچوں کو ان کے اصل باپ کے نام سے پکارنا ہے، اس عمل کو عدل وقسط کے تقاضے کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔

کسی شخص کی ایک سے زائد بیویاں ہوں تو اسے ان کے درمیان عدل کا حکم دیا گیا ہے۔اسی سے یہ بات نکلتی ہے کہ ماں باپ کے لیے اولاد میں عدل کرنا ضروری ہے۔اسی طرح اگر معاملہ کمزور سے پڑے جہاں عام طور پر انسان عدل نہیں کرتا جیسے یتیم تو ان کے معاملے میں بھی عدل و انصاف کا حکم ہے۔مردوں کی دوسری شادی کی اجازت بھی قرآن میں جس پس منظر میں بیان ہوئی ہے وہ یہی ہے کہ وہ ان کی ماؤں سے شادی کرلیں تاکہ یتیموں کی ذمہ داریاں اٹھانے میں، ان کی ماؤں کی مدد سے، وہ بے انصافی سے بچ سکیں۔

ایک اور اہم مقام جہاں لوگ انصاف سے ہٹتے ہیں وہ ناپ وتول کا معاملہ ہے۔چنانچہ جگہ جگہ قرآن میں توجہ دلائی گئی ہے کہ ناپ تول میں کمی سے بچیں۔سورہ مطففین میں تو ایسے لوگوں کو ہلاکت کی وعید کی گئی ہے جو دوسروں سے تو پورا لیتے ہیں، لیکن ناپ تول کے وقت ان کے حق میں ڈنڈی مارتے ہیں۔اسی طرح قرآن میں حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کا واقعہ کئی جگہ بیان ہوا ہے اور ہر جگہ ناپ تول میں ڈنڈی مارنے کو ان کے جرم عظیم کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔

عدل وانصاف سے ہٹانے والے معاملات

عدل وانصاف کی اہمیت اور اطلاقی پہلوؤں کو بیان کرنے کے علاوہ قرآن مجید نے یہ بات

بھی تفصیل سے بیان کی ہے کہ وہ کیا چیزیں ہیں جو انسان کو عدل وقسط سے دور کرنے والی ہیں۔ ان میں سے ایک چیز یہ ہے کہ جب معاملہ اپنی ذات کا ہو، والدین کا ہو یا اقربا کا تو انسان عدل و انصاف کے بجائے جانبداری کو ترجیح دیتا ہے اور غلط ہونے کے باوجود انھی کا ساتھ دیتا ہے۔ اسی طرح بعض اوقات کسی کی امارت سے مرعوب ہو کر یا فائدہ کی امید پر یا کبھی کسی کی غربت سے متاثر ہو کر ہمدردی میں انسان حق وانصاف سے ہٹ جاتا ہے۔ وہ حق وانصاف کی بات کو بگاڑ کر پیش کرتا ہے یا درست بات کرنے سے پہلو تہی کر جاتا ہے۔ اس کے برعکس کبھی کسی گروہ کی دشمنی اور مخالفت انسان کو اس طرح اندھا کر دیتی ہے کہ وہ عدل کرنے کے بجائے ناانصافی پر اتر آتا ہے۔ قرآن مجید نے ایسے تمام معاملات پر توجہ دلا کر انصاف پر قائم رہنے اور اللہ کے لیے اس کی گواہی دینے کا حکم دیا ہے۔

قرآن نے یہ بات واضح کی ہے کہ حق وانصاف سے ہٹانے والی ایک بہت بڑی چیز انسان کی خواہش نفس ہے جو انسان کی عقل وضمیر کو مفلوج کر دیتی ہے اور اسے انصاف سے ہٹنے پر آمادہ کرتی ہے۔ جبکہ یہ تقویٰ اور خدا کا خوف ہے جو انسان کو ہر طرح کے حالات میں عدل وقسط پر قائم رکھتا ہے۔ قرآن نے یہود کی مثال دے کر یہ بات واضح کی ہے جب کوئی قوم خواہش کا شکار اور تقویٰ سے خالی ہو تو پھر وہ اپنے اندر موجود انصاف کی تلقین کرنے والوں کے قتل تک پر آمادہ ہو جاتی ہے۔

قرآنی بیانات

''بے شک، اللہ (اِس میں) عدل اور احسان اور قرابت مندوں کو دیتے رہنے کی ہدایت کرتا ہے اور بے حیائی، برائی اور سرکشی سے روکتا ہے۔ وہ تمھیں نصیحت کرتا ہے تاکہ تم یاددہانی حاصل کرو۔''، (النحل 90:16)

''اِن سے کہو، میرے پروردگار نے (ہر معاملے میں) انصاف کا حکم دیا ہے۔''،

(الاعراف 7:29)

''اللہ نے، اُس کے فرشتوں نے، اور (اِس دنیا میں) علم حقیقی کے سب حاملین نے گواہی دی ہے کہ اُس کے سوا کوئی الٰہ نہیں، وہ انصاف پر قائم ہے، اُس کے سوا کوئی الٰہ نہیں، زبردست ہے، بڑی حکمت والا ہے۔''، (آل عمران 3:18)

''جو لوگ ایمان لائے اور اُنھوں نے نیک عمل کیے ہیں، اُن کو انصاف کے ساتھ (اُن کے عمل کا) بدلہ دے۔ اِس کے برخلاف جنھوں نے انکار کر دیا ہے، اُن کے انکار کے بدلے میں جو وہ کرتے رہے، اُن کے لیے کھولتا ہوا پانی اور دردناک عذاب ہے۔''، (یونس 10:4)

''(اُس کا قانون یہی ہے کہ) ہر قوم کے لیے ایک رسول ہے۔ پھر جب اُن کا رسول آ جاتا ہے تو اُن کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا جاتا ہے اور اُن پر کوئی ظلم نہیں کیا جاتا۔''، (یونس 10:47)

''ہم نے اپنے رسولوں کو صاف اور واضح دلائل کے ساتھ بھیجا ہے اور اُن کے ساتھ اپنی کتاب، یعنی میزان نازل کی ہے تاکہ لوگ (حق و باطل کے معاملے میں) ٹھیک انصاف پر قائم ہو جائیں۔''، (الحدید 57:25)

''اور انصاف کے ساتھ سیدھی تول تولو اور وزن میں کمی نہ کرو۔''، (الرحمان 55:9)

''یہ جھوٹ پر کان لگاتے اور (جھوٹی گواہی کے لیے) بغیر کسی تردد کے حرام کھاتے ہیں، لہٰذا (فیصلوں کے لیے) تمھارے پاس آئیں تو تمھیں اختیار ہے کہ اِن کا فیصلہ کرو یا ٹال دو۔ تم اِنھیں ٹال دو گے تو یہ تمھیں کوئی نقصان نہ پہنچا سکیں گے اور اگر فیصلہ کرو گے تو تم پر لازم ہے کہ اُن کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو۔ اِس لیے کہ اللہ اُنھی لوگوں کو پسند کرتا ہے جو انصاف کا فیصلہ کرتے ہیں۔''، (المائدہ 5:42)

''اور اگر اندیشہ ہو کہ یتیموں کے معاملے میں انصاف نہ کر سکو گے تو اُن کے ساتھ جو عورتیں ہیں، اُن میں سے جو تمھارے لیے موزوں ہوں، اُن میں سے دو دو، تین تین، چار چار سے نکاح کر لو۔ پھر اگر ڈر ہو کہ (اُن کے درمیان) انصاف نہ کر سکو گے تو (اِس طرح کی صورت حال میں بھی) ایک ہی بیوی رکھو یا پھر لونڈیاں جو تمھارے قبضے میں ہوں۔ یہ اِس کے زیادہ قریب ہے کہ تم بے انصافی سے بچے رہو۔''، (النسا 4:3)

''اور ناپ تول انصاف کے ساتھ پوری رکھو۔ ہم کسی جان پر اُس کی استطاعت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتے۔ اور جب بات کہو تو عدل کی بات کہو، اگر چہ معاملہ اپنے کسی رشتہ دار ہی کا ہو۔''، (الانعام 152:6)

''تباہی ہے ڈنڈی مارنے والوں کے لیے، یہ جو لوگوں سے لیتے ہیں تو پورا لیتے ہیں اور جب اُن کے لیے ناپتے یا تولتے ہیں تو اُس میں ڈنڈی مارتے ہیں۔''، (مطففین 83: 3-1)

''تم پیمانے سے دو تو پورا بھر کر دو اور تولو تو ٹھیک ترازو سے تولو۔ یہی بہتر ہے اور انجام کے لحاظ سے بھی یہی اچھا طریقہ ہے۔''، (بنی اسرائیل 35:17)

''میری قوم کے لوگو، ناپ اور تول کو ٹھیک انصاف کے ساتھ پورا رکھو اور لوگوں کو اُن کی چیزیں گھٹا کر نہ دو اور زمین میں فساد نہ پھیلاتے پھرو۔''، (ہود 85:11)

''اور سیدھی ترازو سے تولو۔''، (الشعرا 182:26)

''ایمان والو، (قرض کے معاملات، البتہ ہوں گے۔ لہٰذا) تم کسی مقرر مدت کے لیے ادھار کا لین دین کرو تو اُسے لکھ لو اور چاہیے کہ اُس کو تمھارے درمیان کوئی لکھنے والا انصاف کے ساتھ لکھے۔...... پھر اگر وہ شخص جس پر حق عائد ہوتا ہے، نادان یا ضعیف ہو یا لکھوا نہ سکتا ہو تو اُس کے ولی کو چاہیے کہ وہ انصاف کے ساتھ لکھوا دے۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو، اور (اِس بات کو سمجھو کہ) اللہ تمھیں تعلیم دے رہا ہے، اور اللہ ہر چیز سے واقف ہے۔''، (البقرہ 282:2)

''اللہ تمھیں ہدایت کرتا ہے کہ امانتیں اُن کے حق داروں کو ادا کرو اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ کرو۔''، (النساء 58:4)

''ایمان والو، احرام کی حالت میں شکار نہ مارو۔ (یہ ممنوع ہے)، اور (یاد رکھو کہ) تم میں سے جس نے جانتے بوجھتے اُسے مارا، اُس کا بدلہ تمھارے مواشی میں سے اُسی کے ہم پلہ کوئی جانور ہے، جیسا اُس نے مارا ہے، جس کا فیصلہ تم میں سے دو عادل آدمی کریں گے اور یہ نیاز کی حیثیت سے کعبہ پہنچایا جائے گا۔''، (المائدہ 95:5)

''اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو اُن کے درمیان صلح کراؤ۔ پھر اگر اُن میں سے ایک گروہ دوسرے پر زیادتی کرے تو جو زیادتی کرے، اُس سے جنگ کرو، یہاں تک کہ وہ اللہ کے فیصلے کی طرف رجوع کر لے۔ پھر اگر رجوع کر لے تو دونوں کے درمیان عدل کے

ساتھ مصالحت کرا دو اور ٹھیک ٹھیک انصاف کرو۔ یقیناً، اللہ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔''،(حجرات 9:49)

''ایمان والو، (اِس عہد و میثاق کا تقاضا ہے کہ) اللہ کے لیے کھڑے ہو جاؤ، انصاف کی گواہی دیتے ہوئے اور کسی قوم کی دشمنی بھی تمھیں اِس پر نہ ابھارے کہ انصاف سے پھر جاؤ۔ انصاف کرو، یہ تقویٰ سے زیادہ قریب ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو، اِس لیے کہ اللہ تمھارے ہر عمل سے باخبر ہے۔''،(مائدہ 8:5)

''ایمان والو، انصاف پر قائم رہو، اللہ کے لیے اُس کی گواہی دیتے ہوئے، اگرچہ یہ گواہی خود تمھاری ذات، تمھارے ماں باپ اور تمھارے قرابت مندوں کے خلاف ہی پڑے۔ امیر ہو یا غریب، اللہ ہی دونوں کا زیادہ حق دار ہے (کہ اُس کے قانون کی پابندی کی جائے)۔ اِس لیے (اللہ کی ہدایت کو چھوڑ کر) تم خواہشوں کی پیروی نہ کرو کہ اِس کے نتیجے میں حق سے ہٹ جاؤ اور (یاد رکھو کہ) اگر (حق و انصاف کی بات کو) بگاڑنے یا (اُس سے) پہلو بچانے کی کوشش کرو گے تو اُس کی سزا لازماً پاؤ گے، اِس لیے کہ جو کچھ تم کرتے ہو، اللہ اُس سے خوب واقف ہے۔''،(النسا 135:4)

''یتیموں کے ساتھ ہر حال میں انصاف پر قائم رہو''،(النساء 127:4)

''تم منہ بولے بیٹوں کو اُن کے باپوں کی نسبت سے پکارو۔ یہی اللہ کے نزدیک زیادہ قرین انصاف ہے۔''،(الاحزاب 5:33)

''رہے یہ لوگ جو اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے رہے ہیں اور...... خدا کے اُن بندوں کو قتل کرتے رہے ہیں جو لوگوں میں سے انصاف پر قائم رہنے کی دعوت دیتے تھے تو اِنھیں ایک دردناک عذاب کی خوش خبری سنادو۔''،(آل عمران 21:3)

''لوگوں کے درمیانانصاف کے ساتھ فیصلے کیا کرو اور اپنی خواہش کے پیچھے نہ چلو کہ وہ تمھیں خدا کی راہ سے بھٹکا دے۔۔''،(ص 26:38)

مبشر نذیر

ترکی کا سفر نامہ (70)

تصوف کی کمرشلائزیشن

مسجد سے باہر نکلے تو ایک جگہ اسٹال لگا ہوا تھا۔ معلوم ہوا کہ شام کو کسی آڈی ٹوریم میں گھومتے درویشوں کے رقص کا پروگرام ہے۔ یہ وہی رقص ہے جس کی تفصیل ہم قونیہ کے باب میں بیان کر چکے ہیں۔ یہاں اسٹال پر بروشر موجود تھے جن پر باقاعدہ تصاویر کے ذریعے رقص کی تفصیل دی گئی تھی۔ عجیب بات یہ تھی کہ اس رقص پر باقاعدہ 40 لیرا کا ٹکٹ لگایا گیا تھا۔ ساتھ یہ بھی درج تھا کہ حاضرین کے لئے ڈرنکس مفت ہوں گے۔

بروشر دیکھ کر ہماری ہنسی نکل گئی۔ یہ ترک بڑے کمرشل نکلے۔ انہوں نے دنیا پرستی سے دور بھاگنے والے صوفیوں اور درویشوں کو بھی کمائی کا ذریعہ بنالیا۔ یہ آئیڈیا ہمارے ہاں کے کسی ٹور آپریٹر کو نہیں آیا۔ ورنہ عین ممکن تھا کہ مغربی سیاحوں کے لئے کسی آڈی ٹوریم میں مزاروں پر دھمال ڈالنے والے ملنگوں کے رقص کا اہتمام کیا جاتا۔ رقص کے ساتھ صوفیانہ موسیقی کے نام پر انہیں قوالی سنائی جاتی۔ ملنگوں کی گھوٹی ہوئی بھنگ کے سوم رس کا ایک ایک پیالہ حاضرین کو ٹکٹ کی قیمت میں ہی شامل کر کے پیش کیا جاتا جسے پی کر وہ معرفت کی منازل طے کرتے چلے جاتے۔ ابھی تک ہمارے لوگوں نے صرف قوالی کو کمرشلائز کیا ہے۔

آیا صوفیہ

سلطان احمد مسجد کے بالکل سامنے پارک تھا جس کے دوسری طرف آیا صوفیہ یا ''حاگیہ صوفیہ'' تھا۔ یہ ایک قدیم گرجا گھر تھا جو بادشاہ قسطنطین نے عیسائیت قبول کرنے کے بعد 330ء کے لگ بھگ تعمیر کروایا تھا۔ یہ عمارت تباہ ہوگئی تھی جس کے بعد 537ء میں جسٹنین اول نے اس کی دوبارہ تعمیر کروائی۔ بعد میں اس کی تعمیر میں کچھ اضافے ہوتے رہے۔ 900 سال

تک یہ چرچ، عیسائیت کے مرکز کے طور پر استعمال ہوتا رہا۔ صلیبی جنگوں کے دوران اسے خود ان عیسائی حملہ آوروں نے شدید نقصان پہنچایا جو کہ مخالف فرقوں سے تعلق رکھتے تھے۔ فرقہ واریت چیز ہی ایسی ہے کہ انسان اس میں پڑ کر ایسا درندہ بنتا ہے کہ وہ عبادت گاہوں کے تقدس کا بھی خیال نہیں رکھتا۔ کچھ ایسا ہی معاملہ ہمارے ہاں بھی پایا جاتا ہے جب مخالف فرقے کی مسجد میں بم دھماکا کر کے عین نماز کی حالت میں لوگوں کو شہید کر دیا جاتا ہے۔

1453ء میں قسطنطنیہ کی فتح کے بعد سلطان محمد فاتح نے اس چرچ کو مسجد میں تبدیل کر دیا۔ میں نے تواریخ میں جب یہ پڑھا تو مجھے سخت حیرت ہوئی۔ دین اسلام قطعی طور پر اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ کسی دوسرے مذہب کی عبادت گاہ پر قبضہ کر کے اسے مسجد میں تبدیل کیا جائے۔ یروشلم کی فتح کے موقع پر جب سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ شہر کے بڑے گرجا گھر میں پادریوں کے ساتھ مذاکرات میں مشغول تھے کہ نماز کا وقت ہو گیا۔ آپ نے گرجا کے بجائے اس کی سیڑھیوں میں نماز ادا کی۔ پادریوں نے جب اس کی وجہ پوچھی تو آپ نے فرمایا: ''میں نہیں چاہتا کہ مستقبل میں کوئی مسلمان یہ کہہ کر کہ یہاں ہمارے خلیفہ نے نماز ادا کی تھی، تم سے یہ گرجا چھیننے کی کوشش کرے۔''

عجیب بات یہ ہے کہ سلطان کے اس اقدام پر ان کے علماء نے بھی توجہ کیوں نہیں دلائی۔ انہی تواریخ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ عام عیسائی آبادی کے لئے سلطان نے بڑی وسعت نظری کا مظاہرہ کیا تھا۔ ہوسکتا ہے کہ عیسائی آبادی کے بڑی تعداد میں انخلا کے باعث یہاں وہ لوگ نہ رہے ہوں جو گرجا کی دیکھ بھال کر سکیں۔ اس وجہ سے اسے مسجد میں تبدیل کر دیا گیا تاکہ یہ عبادت گاہ ہی رہے۔ بعد میں مصطفیٰ کمال نے اس عمارت کا عبادت گاہ کا اسٹیٹس ختم کرتے ہوئے اسے میوزیم کا درجہ دے دیا۔

[جاری ہے]

پروین سلطانہ حنا

مسلک

محبت ہے وضو میرا

نمازِ عشق پڑھتی ہوں

ابھی گرنے نہیں پاتی کہ فوراً ہی سنبھلتی ہوں

میں جب مایوسیوں کے دشت میں تنہا نکلتی ہوں

تو اس کی سمت چلتی ہوں

وہی رستہ دکھاتا ہے

فلک پر روشنی بن کر اندھیرے جگمگاتا ہے

کبھی بارش کے قطروں میں

کبھی خوشبو کے رنگوں میں

جھلک اپنی دکھاتا ہے

مجھے جینا سکھاتا ہے

اسی کی راہ پر چلنا مرا مسلک ہے، جادہ ہے

ابویحییٰ کے ناول

جو آپ کی سوچ، زندگی اور عمل کا محور بدل دیں گے

جب زندگی شروع ہوگی

ایک تحریر جو ہدایت کی عالمی تحریک بن چکی ہے

قسم اس وقت کی

ایک منکرِ خدا لڑکی کی داستان سفر، جو سچ کی تلاش میں نکلی تھی

آخری جنگ

شیطان کے خلاف انسان کا اعلان جنگ

خدا بول رہا ہے

عظمتِ قرآن کا بیان ایک دلچسپ داستان کی شکل میں

Please visit this link to read the articles and books of Abu Yahya online for free.

www.inzaar.org

To get Abu Yahya Quotes Join us on twitter:

Twitter ID: @AbuYahya_inzaar

To read Abu Yahya articles regularly Join us on Facebook

Abu Yahya Page: www.facebook.com/abuyahya.inzaar

Abu Yahya Account: www.facebook.com/abuyahya.jzsh

Join us on Youtube

Search inzaar on YouTube to see our audios and lectures

To get monthly books, CDs/USB and Inzaar's monthly magazines at home anywhere in Paksitan, contact # 0332-3051201 or 0345-8206011

To participate in online courses, visit

www.inzaar.org/online-courses/

To get any other information, email to globalinzaar1@gmail.com

Following material in audio form is available on USB/CD:

Quran Course by Abu Yahya

Quran Translation and Summary by Abu Yahya

Islahi Articles

Jab Zindagi Shuru Hogi (book)

Qasam Us Waqt Ki (book)

Aakhri Jang (book)

فون: 0332-3051201, 0345-8206011
ای میل: globalinzaar@gmail.com
web: www.inzaar.org

ماہنامہ انذار

ایک دعوتی واصلاحی رسالہ ہے۔ اس کا مقصد لوگوں میں ایمان واخلاق کی دعوت کو عام کرنا ہے۔ اس دعوت کو دوسروں تک پھیلانے میں ہمارا ساتھ دیجئے۔ یہ رسالہ خود بھی پڑھیے اور دوسروں کو بھی پڑھوائیے۔ اپنے کسی عزیز، دوست، ساتھی یا رشتہ دار کے نام سال بھر رسالہ جاری کروانے کیلئے:

فی کاپی سالانہ سبسکرپشن چارجز: 900 روپے (کراچی رجسٹرڈ پوسٹ)، 600 روپے (بیرون کراچی نارمل پوسٹ) اور VP کی صورت میں ڈاک خرچ 150 روپے سالانہ۔ ایجنسی ڈسکاؤنٹ 20 فیصد ہے۔ ایجنسی ڈسکاؤنٹ کے لیے کم از کم ہر ماہ پانچ رسالے لینا ضروری ہے۔

سبسکرپشن چارجز مندرجہ ذیل پر ارسال کریں	
Easy Paisa	Muhammad Shafiq 0334-3799503 CNIC # 42201-8355292-9
Money Order	Monthly Inzaar 4th Floor Snowhite Centre Abdullah Haroon Road Opp. Hotel Jabees Saddar Karachi
Account	Title of Account: Monthly Inzaar A/C # 0171-1003-729378 Bank Al Falah Saddar Branch Karachi.

آپ سے درخواست ہے کہ سبسکرپشن چارجز بھیجنے کے بعد اپنے نام اور موبائل نمبر کے ساتھ نیچے دیے ہوئے نمبر پر کال یا SMS ضرور کریں تاکہ آپ کے رسالے کی سبسکرپشن کی جا سکے۔ مزید معلومات کے لیے ان نمبرز پر رابطہ کریں۔ شکریہ

0334-3799503 , 0345-8206011, 0312-2099389

اگر آپ ہماری دعوت سے متفق ہیں تو ہمارے ساتھ تعاون کر سکتے ہیں، اس طرح کہ آپ:

1) ہمارے لیے دعا کیجیے کہ اللہ تعالیٰ ہماری رہنمائی فرمائے

2) 'ماہنامہ انذار' کو پڑھیے اور دوسروں کو پڑھوائیے

3) تعمیرِ ملت کے اس کام کو دوسروں تک پہنچانے کے لیے رسالے کی ایجنسی لیجیے

Monthly
INZAAR

DEC 2019
Vol. 07, No. 12
Regd. No. MC-1380

Publisher: Rehan Ahmed Printers: The Sami Sons Printers,
25-Ibrahim Mansion, Mill Street, Pakistan Chowk, Karachi